ذیل کا ناسخہ "سب پر فائق ہیں:۔

(۱) حاکم اسماعیلی کہ ششم خلیفہ بنی فاطمہ مغرب بود از مدینہ علوی را بفریفت تا در شب از خانہ او نقب بروضہ رسول صلعم می زدند تا امیر المومنین ابوبکر صدیق و عمر بن خطاب رضی اللہ عنہما از آن روضہ بیرون آورند و برچہ خواہند با ایشان کنند۔

(نزہتہ القلوب حمد اللہ مستوفی قزوینی صـــــ۱۳)

حاکم اسماعیلی نے جو مغرب (مصر) کا چھٹا خلیفہ بنی فاطمہ (عبیدی) میں سے تھا مدینہ کے ایک علوی کو اس غرض سے بہکایا کہ رات میں اس کے گھر سے روضہ رسول (اللہ) صلعم تک نقب لگائیں تاکہ امیر المومنین ابوبکر الصدیق اور عمر بن الخطاب رضی اللہ عنہما کو روضہ سے باہر نکال لائیں اور ان کے (لاشوں کے ساتھ) جو دل چاہیں کریں۔

مصنف موصوف نے قاضی احمد دامغانی مولف کتاب استظہار الاخبار اور قاضی رکن الدین جوینی مولف کتاب مجمع ارباب الملک کے حوالے سے یہ واقعہ لکھا ہے کہ اس روز مدینہ میں "گرد باد و صاعقہ" کے ساتھ تاریکی عظیم" پیدا ہوگئی۔ تفتیش میں اس علوی نے سب واقعہ حاکم مدینہ سے بیان کر دیا، ان خبیثوں کو سزائیں دی گئیں۔

اس موقع پر یہ بیان کر دینا بے محل نہ ہوگا کہ یہ عبیدی فاطمی جناب جعفر (الصادق) کے فرزند اسمٰعیل سے اپنا سلسلہ نسب ملانے کے مدعی تھے، حالانکہ جناب موصوف کے جد مادری حضرت ابوبکر الصدیق رضؓ تھے اور وہ حضرت موصوف کی اولاد دختری ہونے کا اظہار فخریہ لہجہ میں کیا کرتے تھے۔ عمدۃ الطالب کے شیعہ مصنف جناب جعفرؒ کے مادری نسب کے بارے میں لکھتے ہیں:۔

"ان کی (جناب جعفر کی) والدہ ام فروہ بنت القاسم الفقیہہ تھیں اور ان (ام فروہ) کی ماں اسماء بنت عبد الرحمٰن بن ابوبکرؓ تھیں، اس لئے (جعفر) الصادق کہا کرتے تھے کہ میں ابوبکرؓ سے دو مرتبہ جنا گیا ہوں (ولدنی ابوبکر مرتین) صـــــ۱۹۵"

شاہ ولی اللہ محدث دہلوی نے جناب جعفرؒ کا یہ قول ایک موقع پر نقل کیا ہے:۔

أيسبّ الرجل جدّه، ابوبکر جدّی لا تنالنی شفاعة جدّی محمد صلی اللہ علیہ وسلم ان لم اکن اتولاهما و اتبرأ من

کیا کوئی اپنے جدِ مادری کو برا کہہ سکتا ہے ابوبکرؓ تو میرے جد (مادری) ہیں مجھے میرے (دوسرے) جدِ (مادری) محمد صلی اللہ علیہ وسلم



عدوّهما۔

ازالۃ الخفاء ج ۱ صـــــ۱۰۸

کی شفاعت نصیب نہ ہو، اگر میں ان دونوں (ابوبکر و عمرؓ) سے محبت نہ کروں اور ان کے دشمنوں سے اظہار بیزاری۔

جناب موصوف سے ان لوگوں کے بارے میں پوچھا گیا جو شیخین کو برا کہتے ہیں فرمایا:۔ اولٰئک المراق یعنی یہ لوگ دین سے نکلے ہوئے ہیں (الیضاً صـــــ۱۰۹) ایک مرتبہ کسی شخص نے پوچھا کہ تلوار کے دستہ پر نقاشی کا کام کرانا کیسا ہے فرمایا اچھا ہے ابوبکر الصدیقؓ کی تلوار کے دستہ پر بھی نقاشی کا کام تھا اس نے کہا آپ انہیں "الصدیق" کہتے ہیں یہ سن کر جناب جعفرؒ کو جلال آ گیا فرمایا ہاں "ابوبکر الصدیق" ابوبکر الصدیقؓ، جو انہیں الصدیق نہ جانے اللہ نہ کرے اس کا بھلا ہو اور شفاعت محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) اسے نصیب نہ ہو (البدایہ والنہایہ) ان کے دادا جناب علی بن الحسینؓ سے جب کسی نے دریافت کیا تھا کہ شیخین کی کیا منزلت ہے آپ نے روضہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی جانب اشارہ کرتے ہوئے فرمایا تھا کہ ایسی ہی ہے جیسے اس وقت بھی ہے، یعنی آنحضورؐ کے پہلو میں ہی دونوں بزرگوار ہیں کوئی تیسرا نہیں۔ مزار اقدس کے دائیں بائیں حضور کی لیتے ہیں بلائیں۔

نہ اُس جہاں میں جدا رہیں گے نہ اس جہاں میں جدا رہے ہیں

محبت و احترام کے ان واقعات کے ہوتے ہوئے کیا ان بزرگوں یعنی جناب علی بن الحسینؓ و محمد بن علیؒ و جعفر بن محمدؒ (الباقر) سے کوئی دور کی نسبت بھی ان عبیدیوں کو ہو سکتی ہے۔ جنہوں نے اس فعل شنیعہ کے ارتکاب کرانے کی کوشش کی تھی۔

(۲) قرامطہ نے جیسا پچھلے اوراق میں بیان ہوا عبیدی مہدی کے حکم سے حجر اسود کو اکھاڑا تھا اور مدت تک اپنے قبضہ میں رکھا تھا ۴۱۳ھ کے تحت علامہ ابن کثیرؒ نے یہ واقعہ بیان کیا ہے کہ الحاکم عبیدی کے مصاحبین سے ایک شخص مصری حاجیوں کے زمرہ میں شامل ہو کر مکہ معظمہ پہنچا خانہ کعبہ کا طواف کرتے ہوئے اس خبیث نے حجر اسود پر ہتوڑے سے تین ضربیں لگائیں (فضربه بدبوس معه ثلاث ضربات متواليات) (ج ۱۱ صـــــ۱۲) ضربات مارتے وقت کہتا جاتا تھا کہ میں کعبہ کو بھی منہدم کرونگا۔ (وانی اهدم اليوم هذا البيت) لوگوں نے پکڑ کر خود اس کے جسم کے ٹکڑے ٹکڑے کر دئے۔

(۳) اس روایت کو دوسرے طریق پر بھی بیان کیا گیا ہے کہ اسی حاکم عبیدی نے ابو الفتوح

اپنے ایک سردار کے ساتھ ایک دستہ فوج دیگر ان ایام میں جب ان کا چند روزہ تسلط حجاز پر ہوگیا تھا مدینہ طیبہ بھیجا تاکہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کو مصر لے آئے، یہ خبیث جب روضہ مبارکہ کو منہدم کرنے اور جسد اطہر کو وہاں سے منتقل کرنے کے لئے جمع ہوئے مسلمانوں میں سخت اضطراب پھیل گیا، یکایک ایک قاری نے یہ آیت بلند آواز سے تلاوت کی :۔

الا تقاتلون قوما نکثوا ایمانهم وهموا باخراج الرسول وهم بدءوکم اول مرة اتخشونهم فالله احق ان تخشوه (۱۳-۹)

کیا تم اس گروہ سے جنگ نہیں کرتے جنہوں نے اپنے سب عہد و پیمان توڑ دئے اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو نکالنے کا ارادہ کرلیا اور شرارت کی ابتداء ان ہی کی طرف سے ہے، کیا تم ان سے ڈرتے ہو حالانکہ یہ حق اللہ کا ہے کہ تم اس سے ڈرو۔

.. .. ..

یہ آیت مبارکہ ایسی برمحل پڑھی گئی گویا اسی موقع کے لئے نازل ہوئی تھی مسلمانوں میں بجلی سی دوڑ گئی، انہوں نے ان خبیثوں کا باوجود ان کی مسلح قوت کے مقابلہ کیا ساتھ ہی خوفناک آندھی آئی یہ خبیث خوف زدہ ہو کر بھاگ گئے۔

(۴) نام نہاد "دعوت فاطمیہ" کے علمبردار وں کی خواہ اسماعیلی شاخ سے متعلق ہوں یا دوسری سے برابر یہ کوشش رہی ہے کہ اسلامی تعلیمات کے اصل منبع یعنی قرآن شریف کی فعالیت کو ختم کردیں تاویلات باطلہ وفاسدہ کے ذریعہ یا صحیفہ آسمانی کو مبدل و محرف ثابت کرکے۔ امام ابن قیم نے اعلام الموقعین عن رب العالمین میں تاویلات کے سلسلہ میں لکھا ہے کہ نصیریہ واسماعیلیہ وباطنیہ وقرامطہ نے ان تاویلات ہی کے ذریعہ ملت میں بار پایا اور تعلیمات اسلامی کو مسخ کرنے کی کوشش کی چنانچہ ایک اسماعیلی مصنف ڈاکٹر زاہد علی نے اپنی کتاب میں جس کا ذکر پہلے آچکا ہے، آیات قرآنی کے بارے میں اپنے اماموں اور داعیوں کی تاویلات کی بہت سی مثالیں پیش کرنے کے بعد لکھا ہے :۔

"کیا ہم ایسے مذہب کو اسلام کے موافق کہہ سکتے ہیں جس کی توحید میں کلمہ شہادت لا الٰہ الا اللہ کی تفسیر لا امام الا امام الزمان ہو جس میں لو کان فیهما آلهة الا اللہ لفسدتا میں اللہ سے اشلہ امام کی طرف ہو، جس میں ہو اللہ الخالق البارئ المصور سے عقل اول یا امام الزمان مراد ہوں، جس میں عالم الغیب



والشہادۃ سے مقصود مولانا قائم ہوں...... وغیرہ وغیرہ (ص۶۳۲ کتاب "ہمارے اسماعیلی مذہب کی حقیقت اور اس کا نظام")

(۵) یہ جو کچھ بیان ہوا اس شاخ کے "کارنامے" ہیں جنہوں نے جناب جعفرؒ کے ایک پوتے محمد بن اسماعیل بن جعفر کو اپنا امام مہدی قرار دے لیا تھا، اب دوسری شاخ کی بات سنئے جنہوں نے جناب موصوف کے فرزند موسیٰ بن جعفرؒ کو اور ان کے بعد ان کے اخلاف کو اپنا امام کہا ہے اور امامیہ کہلائے۔

ومن قول الامامية كلها قديماً وحديثاً ان القرآن مبدل، زيد فيه ماليس منه ونقص فيه كثير وبدل منه كثير۔ (الملل والنحل ج۳)

تمام امامیہ کا خواہ قدیم ہوں یا جدید یہی قول ہے کہ قرآن بدل دیا گیا، اس میں وہ چیز بڑھادی گئی جو نہیں تھی، اس میں سے جو کم کردیا گیا ہے وہ بھی بہت ہے جو بدل دیا گیا ہے وہ بھی بہت ہے۔[1]

چنانچہ شیعہ محدث محمد بن یعقوب الکلینی متوفی ۳۲۹ھ اپنی کتاب الصافی میں لکھتے ہیں :۔

ان القرآن الذی جاء به جبریل الی محمدؐ (۱۰۰۰۷) آیة والمشهور عندنا (۶۶۱۶) آیة۔

قرآن جو جبریل فرشتہ (حضرت) محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) پاس لایا تھا اس میں (۱۰۰۰۷) آیتیں تھیں اور ہمارے پاس مشہور (۶۶۱۶) آیات ہیں۔

.. .. ..

گویا ان شیعہ محدث کے نزدیک جو قرآن جبریل لائے اس سے موجودہ قرآن میں (۳۳۹۱) آیتیں کم ہیں۔

(۶) محدث کلینی سے تقریباً ستر برس بعد بغداد کے امامیہ نے ایک قرآن پیدا کیا جسے عبد اللہ

---

[1] قدمائے امامیہ میں علی بن حسن بن موسیٰ بن ابراہیم بن موسیٰ بن جعفرؒ (الصادق) تحریف قرآن کے منکر تھے اور اس کے قائل کی تکفیر کرتے تھے۔ اسی طرح ان کے دو شاگرد ابو یعلی طوسی اور ابو القاسم الرازی بھی تحریف قرآن کے قائل نہ تھے۔ (الملل والنحل ابن حزم)

بن مسعودؓ کا مصحف بتایا اور اس قرآن سے مختلف ظاہر کیا جو مسلمانوں میں متداول ہے اس واقعہ پر سخت ہنگامہ و فساد برپا ہوا۔ یہ امیر المومنین القادر باللہ عباسیؒ کا عہد امامت تھا انہوں نے علماء و فقہاء و قضاۃ کا اجلاس طلب کیا اور متفقہ فیصلہ کے مطابق قاضی ابو محمد الکفانیؒ و شیخ ابو حامد اسفرائنیؒ نے خود کھڑے ہو کر اس مصنوعی قرآن کو نذر آتش کردیا۔ (البدایہ ج ۱۱ ص ۳۳۳ و طبقات الشافعیہ ج ۳ ص ۲۶)

(۷) الکلینی نے ایک اور کتاب کے نزول کی روایت اپنے ایک امام ابو عبداللہ سے معاذ بن کثیر کی سند سے نقل کی ہے یعنی :-

ان اللہ عز وجل انزل علی نبیہ کتابا فقال جبریل: یا محمد هذہ وصیتک الی النجباء فقال ومن النجباء یا جبریل؟ فقال علی بن ابی طالب و ولدہ و کان علی الکتاب خواتم من الذهب فدفعہ رسول اللہ الی علی وامرہ ان یفک خاتما منہ فیعمل بما فیہ۔ (الی آخرہ)

اللہ بزرگ و برتر نے اپنے نبی پر ایک کتاب اتاری جسے جبریل نے (یہ کہہ کر پیش کیا کہ) اے محمد! یہ آپ کا وصیت نامہ ہے نجباء[1] کے لئے (رسول اللہ نے) پوچھا نجباء کون لوگ ہیں (جبریل نے) کہا علی بن ابی طالب اور ان کی اولاد[2]۔ اس کتاب میں سونے کی مہریں لگی ہوئی تھیں۔ رسول اللہ نے وہ کتاب علی کو دیدی اور ہدایت کی کہ مہر توڑ کر جو (حکم تحریر ہے) اس پر عمل کرو۔

کتاب میں حضرت علیؓ کے لئے کیا حکم تھا روایت میں اس کی تصریح نہیں اور نہ حضرت حسنؓ کے بارے میں ہے، شاید اس لئے کہ یہ حضرات اپنے زمانہ کے خلفاء کی بیعت میں داخل تھے۔ حضرت حسینؓ نے جب اپنی مہر توڑی تو یہ حکم لکھا پایا :-

تم شہادت حاصل کرنے کے لئے نکلو تمہاری اور تمہارے ساتھیوں کی شہادت کے سوا کسی کی بھی شہادت نہیں اور تم اپنی جان اللہ کے واسطے دے ڈالو واشتر

---

[1] یعنی بہترین اشخاص۔

[2] ان کے سترہ اٹھارہ بیٹوں میں سے صرف دو یعنی حسنین اور ان کی نسل والوں سے اللہ تعالیٰ نے مراد لی ہے۔



نفسک للہ) جب ان کے صاحبزادہ کو یہ کتاب پہنچی انہوں نے مہر توڑ کر دیکھا تو یہ حکم لکھا پایا :-

"بیشک تم چپ سادھے رہو اور خاموش اپنے گھر کے اندر بیٹھے رہو اپنے رب کی عبادت میں مشغول رہو۔"

پھر ان کے فرزند محمدؒ اور پوتے جعفر بن محمدؒ نے جب اپنی اپنی مہریں اپنے وقتوں میں توڑیں تو دونوں کو یہی ہدایت تھی کہ :-

لوگوں کو حدیثیں سناؤ، فتوے دو اور اپنے اہل بیت کے علوم کی اشاعت کرو سوائے اللہ کے کسی سے خوف نہ کھاؤ، تمہارے اوپر کسی کو دسترس نہ ہوگا۔"

جب جعفر بن محمد کے فرزند جناب موسیٰ بن جعفر کی نوبت آئی، کوئی حکم تحریر نہ تھا اور نہ ان کے اخلاف میں سے کسی امام کی بابت، شاید یہ اس وجہ سے ہو کہ جناب موسیٰ کو ان کے بھتیجے محمد بن اسمٰعیل کی پورٹ پر جیسا پہلے بیان ہو چکا کہ وہ انقلاب حکومت کے درپے ہیں اور اپنے طرفداروں سے مراسلت کرتے اور ان سے روپیہ حاصل کرتے ہیں، خلیفہ وقت نے نظر بند کر دیا تھا اور ان کے بیٹے پوتے خلیفہ عباسی کے داماد تھے۔ بہرحال جو وجہ بھی ہو، مجلد کتاب کا نزول جس پر سونے کی مہریں ثبت ہوں خالص عجمی ذہنیت کی مہمل اختراع ہے اسی سے "مصحف فاطمہ" و "مصحف علیؓ" کا بھی قیاس کیا جاسکتا ہے۔

کلام اللہ کی آیات کی تاویلات باطلہ، تحریف قرآن کی روایتیں، سونے کی مہریں لگی ہوئی مجلد کتاب کا نزول، ائمہ کا منصوص من اللہ اور معصوم عن الخطا قرار دینا اور امام کو یہ اختیار ہونا کہ وہ قرآن پر حکم ہو اور شریعت کو بھی معطل کر سکے۔ یہ اور اس قسم کی باتیں آخر کس بات کا ثبوت ہیں۔ اسماعیلی مصنف نے تو اس تحریک کے سیاسی مقصد کو ان الفاظ میں ظاہر کیا ہے :-

"سیدنا عبداللہ[1] نے اسماعیلی دعوت قائم کی جس سے آپ کا مقصد ایک مذہبی تحریک پیدا کرنا تھا جو خلافت عباسیہ کا مقابلہ کر سکے جو اس زمانے میں برسر حکومت تھی اس غرض کی تکمیل کے لئے ایک انجمن بنائی جس میں ایسے افراد شریک کئے جو بالطبع معتزلیوں کے خیالات اور فلسفیوں کی رایوں کی طرف مائل تھے۔ اس تحریک کی کامیابی کے لئے اہل بیت کی مدد لینا پڑی تاکہ

---

[1] یعنی عبداللہ بن میمون القداح۔

شیعہ جن کو اہل بیت سے محبت تھی اسے جلد قبول کرلیں، تاریخ میں اس قسم کی تحریکوں
کی متعدد نظیریں ملیں گی..... شیعہ جو اس زمانے کی موجودہ حکومتوں یعنی حکومت
عباسیہ اور حکومت امویہ اندلس سے ناراض تھے، اہل بیت کے کسی نہ کسی فرد کو اپنا
حق لینے کے لئے ابھارتے اور اسے حکومت کی ترغیب دلاکر اپنا امام بناتے اور اس کی
قیادت میں عباسیوں اور امویوں کا مقابلہ کرتے، بعض وقت تو صرف اس کے نام سے
فائدہ اٹھاتے تھے، حالانکہ وہ خود ایسی تحریک پسند نہ کرتا تھا چنانچہ مولانا علی کے فرزند
مولانا محمد بن الحنفیہ کے نام سے دعوت کی جاتی تھی اور آپ خود اس سے انکار فرماتے
رہے، اسی طرح سیدنا عبداللہ بن میمون القداح نے ایک ایسی دعوت قائم کی جو مولانا
جعفر صادق کے حکم کے خلاف تھی" (صفحہ ۶۱)

اسماعیلی مصنف کے اس اعتراف سے نہ صرف عبیدی فاطمی دعوت کی اصل حقیقت منکشف
ہوجاتی ہے بلکہ یہ بھی واضح ہو جاتا ہے کہ سیاسی پارٹیاں حصول مقصد کیلئے بعض صحیح النسب فاطمیوں کو اپنا امام قرار دیکر سیاسی مقاصد
پر مذہب کی ملمع کاری کرتی رہتی تھیں جناب علی بن الحسین کے فرزند عمر بن علی بن الحسین سے کسی نے دریافت کیا تھا کہ آپ کے خاندان میں کیا
کوئی ایسے فرد ہوئے ہیں جن کی اطاعت فرض ہو انہوں نے صاف انکار کیا تھا کہ ہمارے
یہاں ایسا کوئی شخص نہیں جو کوئی ایسا کہتا ہے وہ کذاب ہے اور میرے والد نے مرتے وقت
کسی کو وصیت بھی نہیں کی (طبقات ابن سعد ج ۵ ص ۲۳۶ و کتاب نسب قریش ص ۶۲) یہ بیان جناب
محمد بن علی بن الحسین کے بھائی کا ہے۔ یہ سب دس یا گیارہ بھائی تھے۔ سب سے بڑے حسین الاکبر تھے وہ اور
ان کے چھوٹے بھائی محمد دونوں اپنے والدین کے ساتھ کربلا میں تھے۔ یہ جناب محمد (الباقر) علمی ذوق
رکھتے تھے، سیاسیات سے کوئی تعلق نہ تھا اور نہ وہ اپنے حقیقی بھائیوں سے یا چچا زاد بھائیوں سے یا
ہاشمی خاندان کے دوسرے افراد سے علم و عمل میں کوئی برتری و فضیلت رکھتے تھے۔ امامیہ کے اس
دعوے کی تردید میں کہ ان کے امام کے پاس شریعت کا کل علم ہوتا ہے۔ علامہ ابن حزم نے اپنی کتاب
الملل والنحل میں جو استدلال کیا ہے اسے اس موقع پر نقل کرنا نامناسب نہ ہوگا، وہ فرماتے ہیں۔

"اسی طرح یہ لوگ (یعنی امامیہ) علی بن الحسین کی علم و عمل میں کوئی برتری و فضیلت
سعید بن المسیب، قاسم بن محمد (بن ابی بکر) سالم بن عبداللہ بن عمر، عروہ بن الزبیر
ابوبکر بن عبدالرحمن بن الحارث بن ہشام اور ان کے (علی بن الحسین کے) چچا زاد بھائی
حسن بن حسن پر نہیں پاسکے۔ یہ لوگ علم و تقویٰ میں محمد بن علی بن الحسین کی برتری



و فضیلت عبدالرحمن بن قاسم بن محمد (بن ابی بکر) پر اور نہ محمد بن عمرو بن ابی
بکر بن المنکدر پر یا ابوسلمہ بن عبدالرحمن بن عوف پر یا ان کے بھائی زید بن علی
بن الحسین پر یا عبداللہ بن حسن بن حسن پر نہیں [illegible]۔ اسی طرح یہ لوگ جعفر
بن محمد (بن علی بن الحسین) کی کوئی برتری و فضیلت علم میں، دین میں، عمل میں
محمد بن مسلم الزہری پر، ابن ابی ذئب پر، عبداللہ بن عبدالعزیز بن عبداللہ بن
عمر پر، عبیداللہ بن عمرو بن حفص بن عاصم بن عمر پر اور خود اپنے دونوں چچا زاد
بھائی محمد بن عبداللہ بن حسن بن حسن اور علی بن حسن بن حسن پر نہ پائیں گے
بلکہ جن لوگوں کا ہم نے ذکر کیا ہے وہ علم و زہد میں ان سے برتر تھے اور یہ سب کے
سب فقہ و حدیث میں بہت بلند مرتبہ رکھتے تھے جس کا کوئی بھی انکار نہیں کرسکتا۔
ابن عباس نے اپنی فقہ بیس کتابوں میں جمع کی ہے اور اگر تلاش کی جائے تو ان
کی حدیث بھی قریب قریب اسی حد تک پہنچے گی۔ حالانکہ حسن و حسین کی فقہ
دو ورق تک بھی نہیں پہنچتی اور ان دونوں کی حدیث ایک آدھ ورق تک
پہنچتی ہے، یہی حال علی بن الحسین کا بھی ہے۔ محمد بن علی (بن حسین) کی حدیث
و فقہ ایک چھوٹے سے جزو تک پہنچتی ہے، اسی طرح جعفر بن محمد کی حالانکہ روافض
کا دعویٰ یہ ہے کہ امام کے پاس شریعت کا کل علم ہوتا ہے..... جعفر بن محمد کے
بعد تو ہمیں ان ائمہ کے علم کا بالکل پتہ نہ چلا، نہ حدیث ہی نہ فقہ میں باوجودیکہ
ان لوگوں کا زمانہ ہمارے زمانے کے قریب ہے اگر ان لوگوں کے پاس اس میں سے
کچھ ہوتا تو وہ ضرور مشہور و معروف ہوتا، جیسے محمد بن علی اور ان کے بیٹے جعفر وغیرہ
سے جو ان کے ائمہ میں سے ہیں مشہور و معروف ہے"۔ (الملل والنحل ابن حزم)

علمی فضیلت کا اکتساب جناب علی بن الحسین کے صرف ایک ہی صاحبزادے اور ان کے
عہد اخلاف تک محدود نہ تھا، کیونکہ پہلی صدی ہجری کا وہ زمانہ ہے جب عرب خصوصاً قریش کے
نوجوانوں کے دلوں میں فضائل و کمالات کے اکتساب کا ولولہ و جوش موجزن تھا۔ فضائل کی بھی
بہت سی نوعیتیں ہیں، جن میں علم بھی ہے، زہد و تقویٰ بھی، پاک دامنی و عفت بھی، حلم و کرم
بھی ہے، صبر و استقامت بھی و ہیجان۔ بنو عبد مناف کی دونوں شاخوں ہاشمی و اموی
ہی کے نہیں صدیقی و فاروقی و انصاری و اسدی و زہری اور دوسرے خاندانوں و قبیلوں

کے ہزاروں اشخاص کے حالات کتب و سیر میں محفوظ ہیں، ان سے ثابت ہے کہ فضائل و کمالات میں ایک سے ایک بڑھ کر تھا، عجمیوں نے تو اپنے سیاسی مقاصد سے چند اشخاص کو خصوصاً حضرت حسین رض کے تقریباً ستو اخلاف میں سے آٹھ افراد کو "امام معصوم" قرار دیکر ان کی امامت کا اور اپنے مسلکی مخالفوں خصوصاً بنی امیہ کی بے دینی و ضلالت کا پروپگنڈا اس شدت اور اس عیاری سے کیا کہ بہت سے غیر شیعہ مسلمانوں کے اذہان و قلوب بھی اس سے متأثر ہیں ان کی زبانوں پر بھی غیر شعوری و غیر ارادی طور سے "امام" اور "علیہ السلام" کے الفاظ ان حضرات کے ناموں کے ساتھ ادا ہوتے ہیں، حالانکہ ملت کے تعمیری کاموں میں ان حضرات کا کوئی حصہ نہیں رہا۔ اور نہ انہوں نے کبھی "امام معصوم" ہونے کا دعویٰ کیا اور نہ کوئی شخص اسلامی حکومت میں ایسا دعویٰ کرنے کی جسارت کر سکتا تھا اور اگر کرتا تو بغیر تعزیر کے نہیں بچ سکتا تھا۔ پہلی صدی ہجری اور اس کے تیس برس بعد تک اموی خلفاء اور ان کے عزیزوں نے اسلام کی جو عظیم الشان خدمات انجام دیں وہ ان کے بعد کسی اور خاندان کے افراد نے اس درجہ پر نہیں کیں۔ مغربی پاکستان کے علاوہ سندھ بھی جو اس زمانہ میں بلوچستان و سرحدی اضلاع وغیرہ پر مشتمل تھا، دین اسلام کی ترویج امویوں ہی کے زمانہ میں ہوئی اور آج بھی کراچی سے صرف تیس میل کے فاصلہ پر محکمہ آثار قدیمہ کی بدولت اسی عہد کی معمرہ مسجد اور غازیوں کی قبریں برآمد ہوئی ہیں اور ایک عباسی خلیفہ کے کتبے بھی، ابھی شاید یہ بات طے شدہ نہیں کہ آیا یہ مقام دیبل ہے یا کوئی اور مقام، بہر حال یہ ایک نشانی ہے مجاہدین اسلام کے سرفروشانہ تبلیغ دین متین کی۔

ذیل میں امامیہ کے ائمہ کی فہرست اور اس کے ساتھ ان بزرگوں کی فہرست بھی درج کی جاتی ہے جنہوں نے اسلام کے اہم رکن یعنی اقامت حج کی خدمات انجام دیں اور مختلف سنین میں امیر حج رہے، جس سے اس وقت کے احوال کا قدرے اندازہ ہو سکتا ہے۔ ایک طرف امویوں اور ان کے بعد عباسیوں کے کارنامے تعمیر ملت کے ہیں اور دوسری جانب سبائیوں کے پھیلائے ہوئے عقیدہ موروثی امامت کی کرشمہ سازیاں ہیں جس کو ایک مستشرق محقق ہنری لامن کے الفاظ میں سنئے کیونکہ مسلمانوں کے سیاسی اختلافات کے بارے میں مستشرقین کی تحقیق غیر جانبدار تحقیق ہو سکتی ہے۔ ہمارے سبائیت زدہ ملا صاحبان مستشرقین کی اس بے لاگ تحقیق کے بھی مخالف ہیں جو تاریخی واقعات و حالات کے بارے میں ہو اور مذہب اسلام کے



معتقدات یا رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی سیرت طیبہ سے اس تحقیق کا کوئی تعلق نہ ہو، محقق لامن نے اپنی کتاب میں جس کا حوالہ پہلے گذر چکا ہے، لکھا ہے کہ:۔

"اہل تشیع کے اعتدال پسند طبقے میں بھی اہل بیت کی عقیدتمندی کا جو مسلک اختیار کیا گیا ہے اس سے اس احترام کو مزید پہنچا ہے جو اسلام میں اس کے پیغمبر کا ہے (حضرت) محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) بھی علی (رض) کے آگے ماند سے ہو جاتے ہیں۔ اسی طرح علی (رض) بھی حسین (رض) کے سامنے دھندلے سے پڑ جاتے ہیں۔ کربلا کے مایوس و غمگین ہیرو نے اپنے برادر بزرگ حسن (رض) کو گویا ان کے مقام سے ہٹا کر ان کی جگہ لے لی ہے کیونکہ شیعہ کبھی اس بات کو معاف نہیں کر سکتے کہ معاویہ (رض) کے ساتھ انہوں نے صلح مصالحت کر لی تھی۔ حسین (رض) کے بارے میں یہ باور کیا جاتا ہے کہ اپنی خوشی و مرضی سے انہوں نے اپنی ذات کو اس غرض سے قربان کر دیا کہ بندوں کے ساتھ اللہ تعالیٰ کی رضا جوئی کریں اور اس طرح گویا باعث نجات ہوں۔ محمد (صلعم)، علی (رض) اور حسین (رض) سے ایک شیعہ تثلیث کی بنا ڈالی گئی اولی الذکر سے مراد وحی سے لی گئی۔ علی سے تاویل و تفسیر قرآن اور حسین سے شفاعت و کفارہ"۔

(اسلام۔ معتقدات و آئین مولفہ ہنری لامن صفحہ ۱۴۲)

اللہ تعالیٰ نے ان تحریکات کے وجود میں آنے کی اطلاع جو قرآن حکیم کی فعالیت ختم کرنے کے درپے ہوں اس کی حفاظت کے خدائی وعدہ انا لہ لحافظون کے خلاف اسے مبدل و محرف بتائیں اماموں کا رتبہ نبی سے بڑھائیں پہلے سے دیدی تھی مگر اس بشارت کے ساتھ کہ بالآخر حق غالب ہو کر رہے گا۔

| | |
|---|---|
| وما ارسلنا من قبلک من رسول ولا نبی اذا تمنی القی الشیطان فی امنیتہ فینسخ اللہ ما یلقی الشیطان ثم یحکم آیتہ۔ | ہم نے آپ سے پہلے کوئی رسول کوئی نبی نہیں بھیجا مگر یہ کہ اس نے جب اپنے مقاصد بروئے کار لانے چاہے تو شیطان نے اس کے عزائم کی راہ میں رکاوٹیں |

ڈالیں پس اللہ تعالیٰ اس چیز کو منسوخ کرتا رہتا ہے جو شیطان نے ڈالیں اور پھر اپنی آیات کو ثبات بخشتا ہے اہل عالم کی تاریخ میں نزول قرآن سے بڑھ کر کوئی واقعہ نہیں اور دعوت محمدیہ سے عظیم تر کوئی تحریک نہیں اس لئے اس تحریک کے مقابلے میں جو تحریکیں اٹھیں وہ بھی طاقتور ہونی چاہئیں۔ اب چونکہ کوئی نبی آنے والا نہیں اور قرآن مجید کی صورت میں مسلمانوں کا نبی ہر وقت موجود ہے لہٰذا تحکیم آیات باللہ

اور تسبیح ما یلقی الشیطان کا کام نام نہاد مسلمانوں ہی کے ذریعہ جو رشد و ہدایت کے دعویدار ہوتے ہیں پورا ہوتا رہا ہے ۔ جو طرح طرح کے بدعات و محدثات کے باعث ہیں ۔

## صحیح النسب فاطمی جنہیں امام معصوم قرار دے لیا ہے
### علی بن ابی طالب اور

| نمبر شمار | نام و نسب | سنہ ولادت | سنہ وفات | عمر | سبب موت | امامیہ کے اختراعی القاب | کس کس خلیفہ کی بیعت میں داخل تھے ! |
|---|---|---|---|---|---|---|---|
| ۱ | علیؓ بن ابی طالب بن عبدالمطلب | ۶۰۵ء | ۴۰ھ | ۵۸ سال | مقتول | اسد اللہ حیدر | ابوبکرؓ و عمرؓ و عثمانؓ |
| ۲ | حسن بن علیؓ بن ابی طالب | ۴ھ | ۴۹ھ | ۴۵ سال | بعارضہ ذیابطس | مجتبیٰ | عمرؓ و عثمانؓ و علیؓ و معاویہؓ |
| ۳ | حسینؓ بن علیؓ بن ابی طالب | ۵ھ | ۱۰ محرم ۶۱ھ | ۵۵ سال | مقتول | سید الشہداء | ایضاً |
| ۴ | علی بن الحسینؒ | ۳۷ھ | ۹۵ھ | ۵۸ سال | طبعی موت | سجاد و زین العابدین | معاویہؓ و یزید و مروانؒ عبدالملک و ولید اموی |
| ۵ | محمد بن علی بن الحسینؒ | ۵۷ھ | ۱۱۷ھ | ۶۰ سال | " | الباقر | عبدالملک و ولید و سلیمانؒ |
| ۶ | جعفر بن محمد بن علی بن الحسینؒ | ۸۰ھ | ۱۴۸ھ | ۶۸ سال | " | الصادق | عمر بن عبدالعزیز اموی و بقیہ اموی خلفاء و عبداللہ السفاح و ابوجعفر المنصور عباسیؒ |
| ۷ | موسیٰ بن جعفر بن محمد بن علی بن الحسینؒ | ۱۲۸ھ | ۱۸۳ھ | ۵۵ سال | " | الکاظم | محمد المہدی و ہارون الرشید عباسیؒ |
| ۸ | علی بن موسیٰ بن جعفر بن محمد بن علی بن الحسینؒ | ۱۵۳ھ | ۲۰۳ھ | ۵۵ سال | " | الرضا | ہارون الرشید و مامون الرشیدؒ |
| ۹ | محمد بن علی بن موسیٰ بن جعفرؒ " | ۱۹۵ھ | ۲۲۰ھ | ۲۵ سال | " | الجواد | مامون الرشید و المعتصم باللہ عباسیؒ |
| ۱۰ | علی بن محمد بن علی بن موسیٰ بن جعفرؒ " | ۲۱۳ھ | ۲۵۴ھ | ۴۲ سال | " | النقی | الواثق باللہ و المتوکل علی اللہ عباسیؒ |
| ۱۱ | حسن بن علی بن محمد بن علی بن موسیٰؒ " | ۲۳۱ھ | ۲۶۰ھ | ۲۹ سال | " | العسکری | المستعین و المعتز و المعتمد علی اللہ عباسیؒ |



آخر الذکر لاولد فوت ہو گئے ۔

علامہ ابن حزمؒ لکھتے ہیں :۔

یہ حسنؒ بغیر کوئی عقب چھوڑے مر گئے تو روافض کے چند فرقے ہو گئے ۔ ان کے جمہور اکثر اس پر قائم ہیں کہ حسن بن علی (بن محمد بن علی بن موسیٰ بن جعفر) کے یہاں ایک لڑکا پیدا ہوا مگر انہوں نے اسے پوشیدہ رکھا ، یہ بھی کہا گیا ہے کہ حسنؒ کی وفات کے بعد ان کے یہاں ان کی کنیز سے جس کا نام صقیل تھا ایک لڑکا پیدا ہوا اور یہ بہت مشہور ہے ۔ بعض روافض نے کہا ہے کہ صقیل سے نہیں بلکہ ان کی ایک اور کنیز سے پیدا ہوا جس کا نام سوسن تھا ۔ زیادہ ظاہر یہی ہے کہ اس کا نام صقیل تھا ، اس لئے کہ اسی صقیل نے اپنے آقا حسن بن علیؒ کی وفات کے بعد حمل کا دعویٰ کیا تھا ، اسی وجہ سے سات برس تک حسنؒ کی میراث کو روکا گیا اس معاملہ میں اس کنیز سے حسنؒ کے بھائی جعفر بن علیؒ نے جھگڑا کیا تھا اور ارباب دولت کی ایک جماعت اس کنیز کی مددگار تھی اور دوسرے لوگ جعفر کے مددگار رہے اس کے بعد وہ حمل چھپ گیا اور جھوٹا ہو گیا اور حسنؒ کے بھائی جعفر نے میراث لے لی ۔“ (الملل والنحل)

## اقامت و امارت حج

ماہ رمضان ۸ھ میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم مکہ معظمہ میں جہاں سے آٹھ سال قبل آپ نے مدینہ کو ہجرت فرمائی تھی دس ہزار پیروان اسلام کی معیت میں تشریف فرما ہوئے حضرت ابوسفیانؓ کے حسن تدبیر سے جو چنیا ہ پہلے اسلام قبول کر چکے تھے اسلام کا یہ مرکزی مقام بغیر قتال جدال کے مسلمانوں کے زیر تسلط آ گیا ، آپ نے حضرت ابوسفیانؓ کے گھر کو کعبہ کی طرح دار الامان قرار دیا اور ایک اموی نوجوان حضرت عتاب بن اسید بن ابو العیص بن امیہ کو وہاں کا عامل مقرر کیا ۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے اسی اموی عامل نے چند ماہ بعد اسلام کے اولین حج کی امامت کی اور لوگوں کو حج کرایا ۔

دوسرے سال ۹ھ میں حضرت ابوبکر الصدیقؓ کو نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے امیر حج مقرر کیا ، تیسرے سال یعنی ۱۰ھ میں خود جناب رسالت مآبؐ نے حج کیا اور لوگوں کو حج کرایا ۔ فتح مکہ کے بعد آپ کا یہ پہلا اور حیات طیبہ کا آخری حج تھا جو اس اعتبار سے کہ آپ نے کعبہ معظمہ کو آخری بار دیکھا اور امت کو وداع کیا حجۃ الوداع کہلاتا ہے ، اسے حجۃ البلاغ بھی کہتے ہیں ، کیونکہ رسول اللہ

صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے خطبۂ حج میں جسے بجا طور پر انسانیت کا منشور اعظم کہا گیا ہے اپنی امت کو بہت سی نصیحتیں اور وصیتیں کیں۔ حجۃ الاسلام بھی کہتے ہیں اس لئے کہ اسی زمانہ میں یہ آخری آیت (سورۃ المائدہ آیت ۳) نازل ہوئی تھی:۔

| | |
|---|---|
| اَلْيَوْمَ اَكْمَلْتُ لَكُمْ دِيْنَكُمْ وَ اَتْمَمْتُ عَلَيْكُمْ نِعْمَتِيْ وَرَضِيْتُ لَكُمُ الْاِسْلَامَ دِيْنًا (المائدہ ۳) | آج ہم نے مکمل کر دیا تمہارے لئے تمہارا دین اور اپنی نعمت تم پر پوری کر دی اور تمہارے لئے دین اسلام کو پسند کیا۔ |

مدینہ واپس تشریف آوری کے تقریباً دو ماہ بعد چند روزہ بیماری سے واصل بحق ہوئے، آپ کی رحلت کے بعد آپ کے خلفاء یا ان کے نائبین امیر حج ہوتے اور لوگوں کو حج کراتے رہے سوائے حضرت علیؓ کے جنہوں نے مدینہ چھوڑ کر کوفہ کو اپنا مستقر بنا لیا تھا اس لئے انہوں نے اپنے ایام میں نہ حج کیا اور نہ لوگوں کو حج کرایا اور نہ ان کے اخلاف میں سے چوتھی صدی ہجری تک کوئی امیر حج ہوا۔ شاہ ولی اللہ محدث دہلوی نے یہ بیان کرتے ہوئے کہ اقامت حج تو ضمیمہ خلافت ہے اور خلیفۂ اسلام کے خواص میں سے تھا لکھا ہے کہ:۔

حضرت مرتضیٰ اقامت حج بذات خود نتوانست نمود بلکہ در بعض سنین نائب هم نتوانست فرستاد۔ (ازالۃ الخفاء ص ۱۳۲)

فریضۂ حج کو اسلام میں خاص اہمیت ہے، مناسک حج و اعمال مذہبی کی ادائیگی کے ساتھ مسلمانان عالم کا یہ اجتماع عظیم بین الاقوامی پارلیمان و اسمبلی کی حیثیت بھی رکھتا ہے۔ مسلمانوں کا قائد و امام یعنی خلیفہ وقت پیش آمدہ حالات و واقعات کے اعتبار سے امت محمدیہ کے سیاسی و ملی امور کے بارے میں حاضرین کو خطاب کرتا، ان کے حوائج و ضروریات معلوم کرتا، اپنے خطبہ میں

---

لہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس خطبہ میں منجملہ بہت سی نصیحتوں کے فرمایا تھا کہ الا لا ترجعون بعدی ضلالاً یضرب بعضکم رقاب بعض (خبردار! میرے بعد گمراہ نہ ہو جانا کہ ایک دوسرے کی گردنیں کاٹنے لگو) یہ بھی ارشاد ہوا تھا کہ سب مسلمان ایک ہی برادری ہیں، نسب و خاندان کے اعتبار سے ایک کو دوسرے پر کوئی تفوق و فضیلت نہیں نہ گورے کو کالے پر نہ عرب کو عجم پر سب انسان آدم کی اولاد ہیں اور آدم کا خمیر مٹی سے تھا۔



ان امور کے بارے میں بھی قوم کو ہدایت کرتا تھا۔ چنانچہ خلفائے ثلاثہ اپنے اپنے زمانوں میں پابندی کے ساتھ امیر حج ہوتے رہے، اسی طرح اموی یا عباسی خلفاء یا ان کے نائبین جیسا ذیل کی فہرست سے واضح ہے جو ۱۳۶ھ تک مرتب کی گئی جن اموی خلفاء کی بے دینی کا جھوٹا پروپیگنڈہ صدیوں سے جاری ہے۔ فہرست پر ایک نظر ڈالنے سے بھی اندازہ ہو سکتا کہ وہ اس اہم فریضہ مذہبی کی ادائیگی کا کیا کچھ اہتمام کرتے، وسیع مملکت کے انتظامی امور کی مصروفیات کے اور جہادوں اور فتوحات میں بیشتر خود یا اپنے بھائیوں بیٹوں کو بھیجنے کے باوجود ملک شام سے حجاز کا سفر کرتے، علماء و صلحاء کی جماعتیں ساتھ ہوتیں، حاجیوں کے راستوں میں کنوئیں و حوض کھدواتے؛ اماکن مقدسہ یعنی مسجد و روضہ نبوی کی تزئین کعبہ معظمہ کی زیب و زینت کے لئے کثیر دولت صرف کرتے امیر المومنین یزیدؒ پہلے خلیفہ ہیں جنہوں نے کعبہ کے خدام مقرر کئے تھے۔ (اخبار مکہ الازرقی ص ۱۶۹) اور یہی وہ پہلے امیر المومنین جنہوں نے کعبہ پر دیبائے خسروانی کا غلاف چڑھایا اور بقول مورخ الازرقی حضرت ابن زبیرؓ نے اس کی تقلید کی۔ امیر معاویہؓ نے دو مرتبہ امیر یزیدؒ نے تین مرتبہ امیر حج کے فرائض ادا کئے۔ امیر المومنین مروانؒ نے اس زمانہ میں جب مکہ و مدینہ کے عامل تھے چھ مرتبہ لوگوں کو حج کرایا تھا ان کے فرزند امیر المومنین عبد الملکؒ ۶۵ھ میں سریر آرائے خلافت ہوئے۔ پانچ چھ سال کے بعد حجاز کی طوائف الملوکی ختم ہوئی تو ۷۵ھ میں اور اس کے بعد ایک اور سال انہوں نے حج کیا وحج عبد الملک فی خلافتہ سنتین احداھما سنۃ خمس وسبعین (ص ۲۵ کتاب المسبوک) پھر ان کے فرزند امیر المومنین الولیدؒ ۸۶ھ میں خلافت پر فائز ہوئے، انہوں نے اپنے والد ماجد کے ایام خلافت میں ایک مرتبہ ۷۸ھ میں امیر حج کی حیثیت سے حج کیا تھا اور دوسری مرتبہ ۹۱ھ میں اپنے ایام خلافت میں۔ یوں تو اس اموی خلیفہ نے مملکت اسلامی کے متعدد مقامات پر کنوئیں اور حوض کھدوائے مسجدیں تعمیر کرائیں اور اس کام پر کثیر رقوم صرف کیں خصوصاً جامع دمشق حسن تعمیر کا بہترین نمونہ ہے کروڑوں روپیہ تعمیر پر صرف کیا مگر دمشق و حجاز کے راستے میں مسافروں کے پانی کے انتظامات پر خاص توجہ کی، مسجد نبوی میں حوض بنوایا، اہل مدینہ کو مال و دولت دیکر نہال کر دیا۔

| | |
|---|---|
| وقسم الوليد بالمدينة اموالاً كثيرة وصلى بها الجمعة و خطب الناس خطبة اولى جالساً ثم | اور ولیدؒ نے مدینہ میں بڑا مال تقسیم کیا اور وہاں نماز جمعہ ادا کی اور خطبہ اولی بیٹھ کر دیا پھر کھڑے ہوئے اور خطبہ دیا لوگ |

قام فخطب الناس قائماً۔ | بیٹھے رہے۔
(صہ۳۱ کتاب المسبوک)

اسی طرح ان کے بھائی امیر المومنین سلیمان بن عبدالملکؒ نے جو سنہ ۹۶ھ میں خلیفہ ہوئے اگلے سال سنہ ۹۷ھ میں حج کیا اور لوگوں کو حج کرایا۔ امیر المومنین الولیدؒ کے تین بیٹے عبد العزیز وعباس ولبشر مختلف سنین میں حج کرنے آئے اور لوگوں کو حج کراتے۔ امیر المومنین ہشام بن عبد الملکؒ نے سنہ ۱۰۶ھ میں حج کیا اور لوگوں کو حج کرایا۔ ان کے بعد خلفاء کے تابعین جن میں ان کے بیٹے پوتے شامل تھے امیر حج ہوتے رہے۔ سنہ ۱۳۲ھ میں اموی خلافت کے خاتمہ کے بعد خلفائے بنی عباسؒ کا بھی یہی عمل رہا، امیر المومنین ابوجعفر المنصورؒ نے چھ مرتبہ حج کئے اور امیر حج رہے اور اسی طرح ان کے بیٹے پوتے اپنے وقت میں حج کرتے اور امیر حج ہوئے۔ امیر المومنین ہارون الرشیدؒ نے اپنے ایام خلافت میں آٹھ مرتبہ حج کئے اور اپنی امارت میں حج کرائے، مگر وضعی روایتوں میں ان خلفاء کو جو اکثر وبیشتر فضائل علمیہ سے بہرہ وافر رکھتے تھے نیک خصلت اور اعمال مذہبی کے پابند تھے، محض سیاسی اختلاف کی بنا پر طرح طرح مطعون کیا گیا ہے۔

---

# امراء حج

## سنہ ۸ھ لغایت سنہ ۱۳۱ھ

| سنہ | عہد | نام نسب | |
|---|---|---|---|
| سنہ ۸ھ | عہد رسالت | عتاب بن اسید بن ابی العیص اموی | بہ نیابت رسالتمآب |
| سنہ ۹ھ | " | ابوبکر الصدیقؓ تیمی | بہ نیابت " |
| سنہ ۱۰ھ | " | حضرت محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم | |
| سنہ ۱۱ھ | خلافت صدیقی | عمر بن الخطاب فاروق اعظمؓ عدوی | بہ نیابت امیر المومنین ابوبکر الصدیقؓ |
| سنہ ۱۲ھ | " | ابوبکر الصدیقؓ تیمی | |
| سنہ ۱۳ھ | فاروقی | عبدالرحمن بن عوفؓ الزہری | " |



| سنہ | عہد | نام نسب | |
|---|---|---|---|
| سنہ ۱۳ھ لغایت سنہ ۲۳ھ | فاروقی | عمر بن الخطاب فاروق اعظمؓ عدوی (دس سال متواتر) | |
| سنہ ۲۴ھ | خلافت عثمانی | عبدالرحمن بن عوفؓ الزہری | بہ نیابت امیر المومنین |
| سنہ ۲۵ھ لغایت سنہ ۳۴ھ | " | عثمان بن عفانؓ اموی (گیارہ سال متواتر) | |
| سنہ ۳۵ھ | " | عبداللہ بن عباسؓ ہاشمی | بہ نیابت امیر المومنین |
| سنہ ۳۶ھ و سنہ ۳۷ھ | خلافت علوی | " | " |
| سنہ ۳۸ھ | " | قثم بن عباسؓ ہاشمی | " |
| سنہ ۳۹ھ | — | شیبہ بن عثمان الحجبیؓ | — |
| سنہ ۴۰ھ | — | مغیرہ بن شعبہؓ ثقفی | — |
| سنہ ۴۱ھ | خلافت امیر معاویہؓ | عتبہ بن ابوسفیانؓ اموی | بہ نیابت امیر المومنین |
| سنہ ۴۲ھ | " " " | مروان بن الحکمؓ اموی | " " " |
| سنہ ۴۳ھ | " " " | " " " | " " " |
| سنہ ۴۴ھ | " " " | امیر المومنین معاویہؓ اموی | |
| سنہ ۴۵ھ | " " " | مروان بن الحکمؓ اموی | " " " |
| سنہ ۴۶ھ | " " " | عتبہ بن ابوسفیانؓ اموی | " " " |
| سنہ ۴۷ھ | " " " | " " " | " " " |
| سنہ ۴۸ھ | " " " | مروان بن الحکمؓ اموی | " " " |
| سنہ ۴۹ھ | " " " | سعید بن العاص اموی | " " " |
| سنہ ۵۰ھ | " " " | امیر یزید بن امیر معاویہؓ اموی | " " " |
| سنہ ۵۱ھ | " " " | " " " | " " " |
| سنہ ۵۲ھ | " " " | " " " | " " " |

| سنہ | عہد | نام نسب | |
|---|---|---|---|
| ۵۳ھ | خلافت امیر معاویہؓ | سعید بن العاص اموی | بہ نیابت امیر المومنین |
| ۵۴ھ | 〃 | مروان بن الحکم اموی | 〃 |
| ۵۵ھ | 〃 | 〃 | 〃 |
| ۵۶ھ | 〃 | الولید بن عتبہ بن ابوسفیانؓ اموی | 〃 |
| ۵۷ھ | 〃 | 〃 | 〃 |
| ۵۸ھ | 〃 | 〃 | 〃 |
| ۵۹ھ | 〃 | عثمان بن محمد بن ابوسفیانؓ اموی | 〃 |
| ۶۰ھ | امیر یزید اموی | عمرو بن سعید بن العاص اموی | 〃 |
| ۶۱ھ | 〃 | الولید بن عتبہ بن ابوسفیانؓ اموی | 〃 |
| ۶۲ھ | 〃 | 〃 | 〃 |
| ۶۳ھ | 〃 | 〃 | 〃 |
| سنہ ۶۴ھ لغایت ۷۱ھ | | عبداللہ بن زبیرؓ اسدی | |
| ۷۲ھ | خلافت امیر المومنین عبدالملک اموی | امیر حجاج بن یوسف ثقفی | |
| ۷۳ھ | 〃 | 〃 | |
| ۷۴ھ | 〃 | 〃 | امیر المومنین عبدالملکؒ نے عمرہ کیا |
| ۷۵ھ | 〃 | امیر المومنین عبدالملکؒ اموی | |
| ۷۶ھ | 〃 | ابان بن عثمان ذی النورینؓ اموی | بہ نیابت امیر المومنین |
| ۷۷ھ | 〃 | 〃 | 〃 |
| ۷۸ھ | 〃 | 〃 | 〃 |
| ۷۹ھ | 〃 | 〃 | 〃 |
| ۸۰ھ | 〃 | سلیمان بن امیر المومنین عبدالملک اموی | 〃 |



| سنہ | عہد | نام نسب | |
|---|---|---|---|
| ۸۱ھ | خلافت امیر المومنین عبدالملک اموی | اسحٰق بن عیسٰی | بہ نیابت امیر المومنین |
| ۸۲ھ | 〃 | ابان بن عثمان ذی النورین اموی | 〃 |
| ۸۳ھ | 〃 | 〃 | 〃 |
| ۸۴ھ | 〃 | ہشام بن اسمٰعیل مخزومی | 〃 |
| ۸۵ھ | 〃 | 〃 | 〃 |
| ۸۶ھ | خلافت الولید اموی | 〃 | 〃 |
| ۸۷ھ | 〃 | عمر بن عبد العزیز اموی | 〃 |
| ۸۸ھ | 〃 | 〃 | 〃 |
| ۸۹ھ | 〃 | 〃 | 〃 |
| ۹۰ھ | 〃 | 〃 | 〃 |
| ۹۱ھ | 〃 | امیر المومنین الولید بن عبدالملک اموی | |
| ۹۲ھ | 〃 | عمر بن عبد العزیز اموی | 〃 |
| ۹۳ھ | 〃 | عبدالعزیز بن امیر المومنین الولید اموی | 〃 |
| ۹۴ھ | 〃 | عباس بن امیر المومنین الولید اموی | 〃 |
| ۹۵ھ | 〃 | بشیر بن 〃 〃 | 〃 |
| ۹۶ھ | خلافت امیر المومنین سلیمان اموی | ابو بکر محمد بن عمرو بن حزم انصاری | 〃 |
| ۹۷ھ | 〃 | امیر المومنین سلیمان بن عبدالملک اموی | |
| ۹۸ھ | 〃 | ابو بکر محمد بن عمرو بن حزم انصاری | 〃 |
| ۹۹ھ | خلافت امیر المومنین عمر اموی | 〃 | 〃 |
| ۱۰۰ھ | 〃 | 〃 | 〃 |
| ۱۰۱ھ | خلافت امیر المومنین | عبدالرحمٰن بن ضحاک بن قیس الفہری | 〃 |
| ۱۰۳ھ | یزید بن عبدالملک اموی | | |

| سنہ | عہد | نام ونسب | |
|---|---|---|---|
| ۱۰۲ھ | خلافت امیرالمومنین یزید بن عبدالملک اموی | عبدالواحد بن عبداللہ النضری | بہ نیابت امیرالمومنین |
| ۱۰۵ھ | خلافت امیرالمومنین ہشام بن عبدالملک اموی | ابراہیم بن ہشام بن عبدالملک اموی | 〃 〃 〃 |
| ۱۰۶ھ | 〃 〃 〃 | امیرالمومنین ہشام بن عبدالملک اموی | 〃 〃 〃 |
| ۱۰۷ھ لغایت ۱۱۲ھ | 〃 〃 〃 | ابراہیم بن ہشام مخزومی | 〃 〃 〃 |
| ۱۱۳ھ | 〃 〃 〃 | سلیمان بن ہشام بن عبدالملک اموی | 〃 〃 〃 |
| ۱۱۴ھ | 〃 〃 〃 | خالد بن عبدالملک بن مروان اموی | 〃 〃 〃 |
| ۱۱۵ھ | 〃 〃 〃 | الولید بن عبدالملک بن الحارث اموی | 〃 〃 〃 |
| ۱۱۶ھ | 〃 〃 〃 | الولید بن یزید بن عبدالملک اموی | 〃 〃 〃 |
| ۱۱۷ھ | 〃 〃 〃 | محمد بن ہشام بن اسمٰعیل مخزومی | |
| ۱۱۸ھ | 〃 〃 〃 | 〃 〃 | |
| ۱۱۹ھ | 〃 〃 〃 | ابوشاکر مسلمہ بن امیرالمومنین ہشام اموی | 〃 〃 〃 |
| ۱۲۰ھ | 〃 〃 〃 | سلیمان 〃 〃 | 〃 〃 〃 |
| ۱۲۱ھ لغایت ۱۲۴ھ | 〃 〃 〃 | محمد بن ہشام بن اسماعیل مخزومی | 〃 〃 〃 |
| ۱۲۵ھ | الولید بن یزید بن عبدالملک | یوسف بن محمد بن یوسف ثقفی | |
| ۱۲۶ھ | یزید بن الولید الناقص | عمر بن عبداللہ بن عبدالملک اموی | |
| ۱۲۷ھ | ابراہیم بن الولید | عبدالعزیز بن عمر بن عبدالعزیز اموی | |
| ۱۲۸ھ | مروان بن محمد | 〃 〃 〃 | |
| ۱۲۹ھ | 〃 | عبدالواحد بن سلیمان بن عبدالملک اموی | |
| ۱۳۰ھ | 〃 | محمد بن عبدالملک بن عطیہ ہوازنی | |
| ۱۳۱ھ | 〃 | الولید بن عروہ السعدی | |



# توضیحات و تنقیدات

# تاریخوں کے دن معلوم کرنیکا کلّیہ

"خلافت معاویہؓ و یزید" میں بعض ان تاریخوں کے دن معلوم کرنے کے لئے جو مورخین برابر غلط لکھتے رہے ہیں ایک کلیہ حساب کا پیش کیا گیا تھا، چونکہ ان تاریخوں کے صحیح دن تقویم سے نکال کر بھی لکھ دئے تھے اس لئے کلیہ کے بیان کرنے میں اختصار برتا گیا تھا۔ شاید اس اختصار بیانی کی وجہ سے بعض حضرات غلط فہمی میں مبتلا ہو گئے اور بعض کو کج بحثی کا موقع مل گیا اور کچھ لوگ وضاحت کے طالب ہوئے ان امور کے پیش نظر اس کلّیہ کو قدرے تفصیل سے بیان کیا جاتا ہے اور بعض ان تاریخوں کے دن بھی کلّیہ کی مدد سے نکال کر بتادئے گئے ہیں جن کے صحیح دن پہلے سے معلوم ہیں:۔

عیسوی سنہ کی کسی تاریخ کا دن معلوم کرنے کے لئے دو کلیّے وضع کئے گئے ہیں ایک کلیہ ان سنین کے لئے ہے جو ۱۷۵۲ء سے پہلے کے ہیں دوسرا اس کے بعد کے سنین کے لئے ہے یہ دونوں کلیّے پروفیسر دل محمد مرحوم کی دلس نیو ارتھمیٹک (انگریزی ایڈیشن) میں درج کئے گئے ہیں۔ اردو ایڈیشن میں صرف دوسرا کلیہ درج ہے، پہلا نہ معلوم کس غلطی سے ترک ہو گیا۔ بعض حضرات جن کو یہ حقیقت معلوم نہیں اردو ایڈیشن میں پہلا کلیہ نہ پا کر تشویش میں مبتلا ہو جاتے ہیں اور جو لوگ اپنی مصلحتوں کی بناء پر کتاب کی تردید پر تلے ہیں وہ دوسروں کو مغالطہ میں ڈالنے کے لئے ایک جزء پہلے کلّیہ کا اور ایک دوسرے کلیہ کا لے لیتے ہیں اور کھینچ تان کر غلط کو صحیح ثابت کرنے کی سعی لاحاصل کرتے ہیں۔

اب یہ دونوں کلیّے ملاحظہ ہوں:۔

**پہلا کلّیہ** جو ۱۷۵۲ء سے پہلے کی کسی تاریخ کا دن معلوم کرنے کے لئے کام میں لایا جاتا ہے یہ ہے:۔ س + ل + د (س سے مراد زیر بحث سنہ سے قبل کا سنہ ل سے ان تمام سالوں میں لیپ ایر (لوند کے سالوں) کی تعداد اور د سے یکم جنوری سے اس تاریخ تک کے دنوں کی تعداد ہے جس کا دن معلوم کرنا مقصود ہے)

اس کلّیہ میں ۷ پر تقسیم کرنے کے بعد جو عدد باقی بچتا ہے اس کی مدد سے ہفتہ کا مطلوبہ دن نکالتے ہیں لیکن شمار (شنبہ) سنیچر سے کرتے ہیں۔ چنانچہ س + ل + د کے مجموعہ کو ۷ پر تقسیم کرنیکے



بعد اگر باقی ۱ بچتا ہے تو مطلوبہ دن شنبہ (سنیچر) ہے۔

| | | |
|---|---|---|
| ۲ | ″ | یکشنبہ (اتوار) ہے |
| ۳ | ″ | دوشنبہ (پیر) ہے |
| ۴ | ″ | سہ شنبہ (منگل) ہے |
| ۵ | ″ | چہارشنبہ (بدھ) ہے |
| ۶ | ″ | پنجشنبہ (جمعرات) ہے |

مجموعہ پورا پورا تقسیم ہو جاتا ہے تو جمعہ ہے

**دوسرا کلّیہ** جو ۱۷۵۲ء کے بعد کی کسی تاریخ کا دن معلوم کرنے کے لئے کام میں لایا جاتا ہے حسب ذیل ہے:۔

(س + ل ـ ص + د) / ۷

اس کلّیہ میں بھی س، ل اور د سے وہی مراد ہے جو پہلے کلّیہ میں ہے البتہ یہاں ص ایک زائد رقم ہے اور اس سے مراد وہ صدیاں ہیں جو ۴۰۰ پر پوری تقسیم نہیں ہوتیں۔ س، ل اور د کے مجموعہ میں سے ص کو منہا کر کے فرق کو ۷ پر تقسیم کیا جاتا ہے اور جو عدد باقی بچتا ہے اس کی مدد سے ہفتہ کا دن معلوم کیا جاتا ہے لیکن اس کلّیہ میں دنوں کا شمار شنبہ (سنیچر) کے بجائے دوشنبہ (پیر) سے کرتے ہیں۔

دونوں کلّیوں اور شنبہ (سنیچر) اور دوشنبہ (پیر) سے دنوں کے شمار کرنے کے فرق کو واضح کرنے کے لئے سنہ عیسوی کی پوری تاریخ دہرانی ہوگی جو موجب طوالت ہے۔ مختصراً اتنا بتادینا کافی ہے کہ سنہ عیسوی کی نظر ثانی جولیس سیزر نے کی تھی اسی لئے عیسوی تقویم کو جولین کلینڈر کے نام سے موسوم کیا جاتا تھا اس ابتدائی شکل میں لوند کے سال (لیپ ایر) وہ تمام سال سمجھے جاتے تھے جو چار پر تقسیم ہو جاتے تھے لیکن اس سے ہر چار صدی کے بعد تین دن کا فرق رونما ہوتا تھا۔ پوپ گریگوری سیزدہم (۱۵۷۲ء تا ۱۵۸۲ء) نے اس کی اصلاح کی طرف توجہ کی اور کافی غور و خوض کے بعد تصفیہ کیا کہ معمولی سالوں میں تو لوند کے سال کے لئے سنہ کا چار پر پورا پورا تقسیم ہو جانا کافی سمجھا جائے لیکن صدی کے لئے اس اصول کو بدل دیا جائے اور صرف وہ صدیاں (لیپ ایر) لوند کے سال سمجھی جائیں جو ۴۰۰ پر پوری پوری تقسیم ہو سکیں چنانچہ پہلے کلّیہ میں جو جولین کلینڈر کے مطابق ہے۔ ان صدیوں کو جو ۴۰۰ پر تقسیم نہیں ہوتیں مجموعہ میں سے منہا نہیں کیا گیا، لیکن دوسرے کلیہ میں جو اسی کلینڈر کی اصلاح شدہ شکل یعنی گریگورین کلینڈر کے مطابق ہے ان صدیوں کو منہا کر دیا جاتا ہے اس وقت تک ایسی ۱۵ صدیاں گزر چکی

ہیں جو گریگورین کلینڈر کے مطابق لیپ کے سال نہیں ہیں لہٰذا دوسرے کلیہ میں ص کی قیمت ۱۵ درج کردی جاتی ہے ۱۷۵۲ء تک جب سے دوسرا کلیہ رائج ہوا ایسی صدیوں کی تعداد ۱۳ ہوچکی تھی گویا اس وقت ص کی قیمت ۱۳ درج کرنی پڑتی تھی۔ دوسرے کلیہ کے مطابق ل اور د کے مجموعہ میں سے ۱۳ گھٹانے کے بعد ضروری ہوا کہ شمار کے لئے معیاری دن کو بھی ۱۳ دن پیچھے کی طرف ہٹا دیا جائے اس تصحیح کے پیش نظر دوسرے کلیہ میں شمار کے لئے شنبہ (سنیچر) کے بجائے پیر (دوشنبہ) کا دن مقرر کردیا گیا۔

جولین اور گریگورین کلینڈر اور دونوں کلیوں کے اس فرق کو مجملاً بیان کرنے کے بعد اب چند مثالوں کو (جن میں ۱۷۵۲ء سے پہلے کی تاریخیں لی گئی ہیں) حل کرکے پہلے کلیہ کی مزید وضاحت اور تصدیق کی جاتی ہے پہلی مثال پروفیسر دل محمد مرحوم کی "دلس نیو ارتھمیٹک" سے لی گئی ہے دوسری تاریخ ابن خلدون سے تیسری اور چوتھی سفرنامہ ابن جبیر سے اور پانچویں اور چھٹی فوائد الفواد (ملفوظات حضرت نظام الدین اولیاء دہلویؒ) سے

**مثال ۱۔** آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی تاریخ ولادت ۲۰ اپریل ۵۷۱ء اور یوم ولادت متفقہ طور پر پیر ہے۔

کلیہ کی مدد سے ہم ۲۰ اپریل ۵۷۱ء کا دن حسب ذیل طریقہ سے معلوم کرتے ہیں:-
چونکہ یہ تاریخ ۱۷۵۲ء سے پہلے کی ہے اس لئے پہلا کلیہ کام میں لیا جائے گا۔

اس مثال میں س = ۵۷۰
ل = ۱۴۲
د = ۱۱۰
مجموعہ ۸۲۲

د (= دن) جنوری ۳۱
فروری ۲۸
مارچ ۳۱
اپریل ۲۰
مجموعہ = ۱۱۰ دن

گویا س + ل + د = ۸۲۲

∴ (س + ل + د) / ۷ = ۸۲۲ / ۷

۷) ۸۲۲ (۱۱۷
۷
۱۲
۷
۵۲
۴۹
۳ باقی

مجموعہ کو ۷ پر تقسیم کرنے سے ۳ باقی بچتا ہے۔



اور سنیچر سے دنوں کے شمار کرنے کے کلیہ کے تحت ہم نے جو جدول دیا ہے اس کے مطابق پیر کا دن آتا ہے

**مثال ۲۔** ابن خلدون نے حضرت عمرؓ کی شہادت کی تاریخ ۲۷ ذی الحجہ ۲۳ھ اور دن بدھ لکھا ہے، قطع نظر اس سے کہ حضرت عمرؓ کی شہادت کی تاریخ میں اختلاف ہے ہمیں صرف یہ دیکھنا ہے کہ ۲۷ ذی الحجہ ۲۳ھ کو واقعی بدھ کا دن تھا یا نہیں۔

عیسوی سنہ کے مطابق ۲۷ ذی الحجہ ۲۳ھ، ۴ نومبر ۶۴۳ء کو پڑتی ہے۔

پہلے کلیہ کو کام میں لائیں تو س = ۶۴۳
ل = ۱۶۰
د = ۳۰۸
مجموعہ = ۷) ۱۱۱۱ (
باقی ۵ — ۱۵۸

جنوری ۳۱
فروری ۲۸
مارچ ۳۱
اپریل ۳۰
مئی ۳۱
جون ۳۰
جولائی ۳۱
اگست ۳۱
ستمبر ۳۰
اکتوبر ۳۱
نومبر ۴
۳۰۸ دن

مجموعہ کو ۷ پر تقسیم کرنے سے ۵ باقی بچتا ہے۔
دنوں کا شمار سنیچر سے کیا جائے تو بدھ کا دن آتا ہے۔

**مثال ۳۔** محمد ابن جبیر اندلسی اپنی غرناطہ سے روانگی کی تاریخ ۸ شوال ۵۷۸ھ اور دن جمعرات بتاتا ہے۔

عیسوی سنہ کے مطابق یہ تاریخ ۳ فروری ۱۱۸۳ء کو ہوتی ہے۔
کلیہ میں دئے ہوئے نشانات میں س = ۱۱۸۲
ل = ۲۹۵
د = ۳۴
مجموعہ = ۷) ۱۵۱۱ (
۲۱۵ — ۶ باقی

جنوری ۳۱
فروری ۳
۳۴ دن

مجموعہ کو سات پر تقسیم کیا جاتا تو ۶ باقی بچتا ہے۔

سنیچر سے دنوں کا شمار کیا جائے تو مطلوبہ دن جمعرات آتا ہے۔

علامہ ابن جبیر نے بھی یہی دن بتایا ہے۔

**مثال ۴۔** ۵ جمادی الآخر ۵۸۰ھ کو ابن جبیر نے جمعرات کا دن لکھا ہے۔
۵ جمادی الآخر ۵۸۰ھ ۱۳ ستمبر ۱۱۸۴ء کے مطابق ہے۔ اب پہلے کلیہ کو کام میں لائیں تو اس مثال میں:۔

| | | | |
|---|---|---|---|
| س = | ۱۱۸۳ | جنوری | ۳۱ |
| ل = | ۲۹۵ | فروری * | ۲۹ |
| د = | ۲۵۷ | مارچ | ۳۱ |
| مجموعہ = | ۷)۱۷۳۵( | اپریل | ۳۰ |
| باقی ۶ — | ۲۴۷ | مئی | ۳۱ |
| | | جون | ۳۰ |
| | | جولائی | ۳۱ |
| | | اگست | ۳۱ |
| | | ستمبر | ۱۳ |
| | | | ۲۵۷ دن |

مثال ۳ کی طرح یہاں بھی ۶ باقی بچتا ہے
اس لئے مطلوبہ دن جمعرات ہے۔

**مثال ۵۔** حضرت شیخ نظام الدین اولیاءؒ کے مرید حضرت امیر حسن سنجری اپنے مرشد کے ملفوظات فوائد الفواد میں "دولت طاعت" کا ذکر کرتے ہوئے لکھتے ہیں: "اتوار کے روز تیسری ماہ محرم ۷۰۸ھ کو قدمبوسی کا شرف حاصل ہوا"

عیسوی تقویم سے مطابقت کرنے پر ۳ محرم ۷۰۸ھ ۲۳ جون ۱۳۰۸ء کو واقع ہوتی ہے۔

اب کلیہ کے مطابق

| | | | |
|---|---|---|---|
| س = | ۱۳۰۷ | جنوری | ۳۱ |
| ل = | ۳۴۷ | فروری | ۲۹ |
| د = | ۱۷۵ | مارچ | ۳۱ |
| مجموعہ = | ۷)۱۸۰۸( | اپریل | ۳۰ |
| باقی ۲ — | ۲۵۸ | مئی | ۳۱ |
| | | جون | ۲۳ |
| | | | ۱۷۵ دن |

---

* ۱۱۸۴ء جس کے یکم جنوری سے ۱۳ ستمبر تک کے دنوں کا مجموعہ معلوم کیا گیا لیپ کا سال ہے اس لئے فروری ۲۹ دن کا شمار کیا گیا ہے۔



۷ پر تقسیم کرنے سے ۲ باقی بچتا ہے۔
دنوں کا شمار سنیچر سے کرنے پر یکشنبہ یعنی اتوار آتا ہے۔

**مثال ۶۔** "مختلف گفتگو" کے ذیلی عنوان کے تحت خواجہ امیر حسن سنجریؒ لکھتے ہیں، جمعرات کے روز بارھویں ماہ شعبان ۷۱۲ھ کو آٹھ ماہ بعد قدمبوسی کی دولت نصیب ہوئی۔
عیسوی سنہ کے مطابق ۱۲ شعبان ۷۱۲ھ، ۲۰ اکتوبر ۱۳۱۲ء کے مساوی ہے۔

کلیہ کی رو سے

| | | | |
|---|---|---|---|
| س = | ۱۳۱۲ | جنوری | ۳۱ |
| ل = | ۳۲۹ | فروری | ۲۸ |
| د = | ۲۹۳ | مارچ | ۳۱ |
| مجموعہ = | ۷)۱۹۳۸( | اپریل | ۳۰ |
| باقی ۶ — | ۲۷۶ | مئی | ۳۱ |
| | | جون | ۳۰ |
| | | جولائی | ۳۱ |
| | | اگست | ۳۱ |
| | | ستمبر | ۳۰ |
| | | اکتوبر | ۲۰ |
| | | | ۲۹۳ دن |

سنیچر سے شمار کر کے جمعرات کا دن آتا ہے۔

اختصار کے خیال سے محض ۶ مثالوں پر اکتفا کی گئی ہے ورنہ سفرنامہ ابن جبیر اور فوائد الفواد میں دی ہوئی تقریباً تمام تاریخوں کے دن اسی کلیہ سے نکال کر تصدیق کر لی گئی ہے شاذونادر کہیں فرق پڑتا ہے تو رویت ہلال کے اختلاف کے سبب ہجری اور عیسوی تاریخوں میں صحیح مطابقت نہ ہونے کی وجہ سے محض ایک دن کا لیکن وہ بھی اگلے مہینہ میں ختم ہو جاتا ہے۔
قارئین چاہیں تو وہ بھی اپنے اطمینان کے لئے محولہ بالا کتابوں میں دی ہوئی تمام تاریخوں کے دن نکال کر دیکھ لیں یہ حقیقت آشکارا ہو جائیگی کہ تاریخوں کے دن معلوم کرنے کا یہ کلیہ کس قدر صحیح اور کارآمد کلیہ ہے۔

# شیعوں کے امام جعفر (الصادقؒ) اور شیعہ مورخ کی تصدیق

"یوم عاشورہ سے عیسوی تاریخ کی مطابقت" کے جلی عنوان سے "مجاہد اعظم" کے شیعہ مولف نے اپنی کتاب کے پانچ صفحات پر سنہ ہجری سے سنہ عیسوی کی مطابقت کے لئے ماہرین علم ریاضی کے قاعدے تفصیل کے ساتھ بیان کرنے اور جولین کلینڈر اور پوپ گریگوری سیزدہم کی تصحیح کے تذکرہ کرنے کے بعد یہ تسلیم کیا ہے کہ:۔

۱۰ محرم ۶۱ھ کو ۱۰ اکتوبر ۶۸۰ء سے مطابق ماننا پڑتا ہے۔ انسائیکلوپیڈیا برٹانیکا جلد ۱۳ طبع یازدہم میں بھی اسی تاریخ کو تسلیم کیا گیا ہے۔ (مجاہد اعظم ص۲۰۲)

۱۰ محرم ۶۱ھ کا ۱۰ اکتوبر ۶۸۰ء کے مطابق ہونا جب مولف موصوف کو تسلیم ہے تو انہیں یہ بھی مان لینا چاہئے تھا کہ ۱۰ اکتوبر ۶۸۰ء کو جمعہ کا دن نہیں بلکہ چہارشنبہ تھا انہوں نے صرف تاریخوں کی مطابقت بیان کردی۔ عاشورہ کا دن چونکہ حساب کی رو سے جمعہ نہیں بلکہ بدھ آتا ہے اسے ظاہر کرنا مناسب نہ جانا لیکن مولف ناسخ التواریخ نے اپنے چھٹے امام جناب جعفر بن محمد بن علی بن الحسینؓ کی جو روایت "صوم عاشورہ" کے سلسلہ میں درج کی ہے اس میں عاشورہ کا دن صراحتاً یوم الاربعہ یعنی بدھ (چہارشنبہ) بیان کیا ہے اور یہی دن جدول مندرجہ کتاب "خلافت معاویہ ویزیدؓ" میں درج ہے جو ۱۰ اکتوبر ۶۸۰ء مطابق ۱۰ محرم ۶۱ھ کو تھا۔ جناب جعفر (الصادقؒ) کی روایت یہ بیان کی گئی ہے:۔

ان اللہ عزوجل لماخلق النور خلقه یوم الجمعة فی تقدیرہ فی اول یوم من شهر رمضان وخلق الظلمة فی یوم الاربعا یوم عاشورا فی مثل ذلک الیوم یعنی العاشر من شهر المحرم فی تقدیرہ۔

اللہ تعالٰے نے اپنی قدرت سے جب نور کو جمعہ کے دن پیدا کیا کہ وہ دن ماہ رمضان کا پہلا دن تھا اور اسی طرح ظلمت کو چہارشنبہ (بدھ) عاشورہ کے دن پیدا کیا یعنی ماہ محرم کی دسویں تاریخ کو۔

"خلافت معاویہ ویزیدؓ" کی جدول میں دسویں محرم کا یہی بدھ کا دن درج ہے جو شیعہ امام کی اس روایت میں صراحتاً بیان ہوا ہے۔

— (٭) —



# نوائے حق

(منقول از ماہنامہ تجلی دیوبند شمارہ ماہ جولائی ۱۹۶۰ء)

(۱)

(از محمود احمد عباسی)

عباسی صاحب کی کتاب کو تحریف وبد دیانتی کا شاہکار ثابت کرنے کے لئے جناب عزیز احمد قاسمی کا ایک مضمون "خلافت معاویہ ویزیدؓ پر ایک طائرانہ نظر" کے عنوان سے شائع ہوا تھا جسے بعض اور رسائل نے بھی نقل کیا۔ ایک ایسا ہی رسالہ ہم نے عباسی صاحب کی خدمت میں ارسال کر دیا تھا کہ وہ اس کا مناسب جواب عطا فرمائیں۔ واقعہ یہ ہے کہ جواب ہم بھی دے سکتے تھے کیونکہ قاسمی صاحب نے اپنی دانست میں جس عمل تحقیق کو تحریف وغیرہ کا نام دیا تھا وہ کسی عنوان بھی دائرہ تحریف میں نہ آتا تھا، لیکن صاحب کتاب بفضلہ زندہ ہوں تو جواب کی ذمہ داری ہم کیوں اٹھائیں اتفاق دیکھئے عباسی صاحب ان دنوں اپنے مستقر پر موجود نہیں تھے۔ کافی دنوں بعد سفر سے لوٹے تو ہمارا ارسال کردہ رسالہ ملاحظہ فرما کر ذیل کا مضمون ارسال کیا اور تجلی کی تنگ دامانی کا لحاظ کرتے ہوئے اسے دو قسطوں میں تقسیم کر دیا۔ دیر تو پہلے ہی ہو چکی تھی، مزید تاخیر قانونی مشورہ کے باعث پیدا ہوئی۔ بایان کار ہدیۂ ناظرین کیا ہی جا رہا ہے۔ (تجلی)

---

جناب عزیز احمد قاسمی صاحب رقمطراز ہیں:۔

کتاب "خلافت معاویہ ویزیدؓ" کے مصنف جناب محمود احمد عباسی صاحب نے حوالہ جات میں بیجا تصرف اور تلبیس کر کے صحافی دیانت کو مجروح فرمایا ہے۔ کتاب کے مطالعہ سے محسوس ہوتا ہے کہ مصنف نے پہلے ایک نظریہ قائم کر لیا کہ نعوذ باللہ حضرت حسینؓ نے خروج کیا اور یزید نہایت متقی و پرہیزگار تھا۔ پھر اس

(حاشیہ اگلے صفحہ پر)

نظریہ کے ماتحت کتابوں کا مطالعہ شروع کیا اور کتابوں میں جہاں کہیں یزید کی تعریف میں کوئی جملہ نظر آیا اسے لے لیا اور اسی عبارت میں جو جملہ یزید یا عمرو بن سعد (؟) کے نقائص میں ہے ان کو حذف کر دیا۔ نیز وہ یہ بھی کہتے ہیں:۔

"جناب محمود عباسی صاحب نے جہاں جہاں عمداً و دانستہ حوالہ جات اور ان کے تراجم میں تصرف کیا ہے۔ ان میں سے چند بطور نمونہ پیش کئے جا رہے ہیں۔ جس سے موصوف کی ریسرچ کا اندازہ ہوگا۔" پھر آگے چل کر علامہ ابن کثیرؒ کی کتاب "البدایہ والنہایہ" کی عبارتیں نقل کر کے ارشاد فرماتے ہیں "غور کیجئے عباسی صاحب نے عبارت میں قطع و برید کر کے کس طرح دھوکا دیا ہے۔" اس کے ساتھ لکھتے ہیں کہ "روز روشن میں لوگوں کی آنکھوں میں خاک جھونک دی اور ڈھنڈورا یہ پیٹا جاتا ہے کہ حقیقت پر جو پردے پڑے ہوئے تھے انہیں ریسرچ نے چاک کر دیا۔"

ان کا پورا مضمون پڑھنے سے صاف معلوم ہوتا ہے کہ دل و دماغ میں بیٹھی ہوئی "دیزید دشمنی" کے تحت انہوں نے صاف و سادہ عبارتوں کو توڑنے مروڑنے کا فن خوب خوب آزما لیا ہے۔ مقصد احقاق حق نہیں الزام تراشی ہے۔[1]

حوالہ جات میں بے جا تصرف اور تلبیس" اور البدایۃ والنہایۃ کی عبارت میں قطع و برید کر کے دھوکہ

(بقیہ سلسلہ صفحہ گذشتہ)

[1] ہم بار بار کہہ چکے ہیں مسلسل شیعی پروپیگنڈے نے اہل سنت کے دل و دماغ میں بھی تشیع اور رفض کا زہر اس طرح اتار دیا ہے کہ بے شمار مواقع پر اچھے خاصے سنیوں کے دہن میں شیعوں کی زبان حرکت کرتی نظر آتی ہے۔ یہی دیکھئے کہ مولانا محمد قاسم، شاہ عبدالعزیز، ملا علی قاری، ابن تیمیہ، امام غزالی اور متعدد دیگر اساطین امت کے علاوہ رسول اللہ کے متعدد عالی مرتبہ صحابی مثلاً حضرت ابو سعید الخدری، حضرت عبداللہ ابن عباس، حضرت ابن عمر، حضرت ابو واقد اللیثی اور بعض اور صحابہ رضوان اللہ علیہم اجمعین تو بلا تکلف، برملا اور صاف اقدام حسینؓ کو "خروج" کے لفظ سے تعبیر کرتے ہیں۔ لیکن آج ہمارے قاسمی دوست اور ان جیسے بے شمار سنی حضرات اس لفظ کے ساتھ "نعوذ باللہ" لگاتے ہیں اور اسے من گھڑت نظریہ قرار دیتے ہیں۔ یہ فساد قلب و نظر نہیں تو اور کیا ہے۔

[2] "طائرانہ نظروں" سے احقاق حق ہوا بھی نہیں کرتا۔ جو شخص اُتھلے اتھلے سمندر کی تہہ میں پڑے ہوئے موتیوں اور گھونگوں کا ارتعہ سے بیان کرنا چاہے، اسے محقق کی بجائے ستم ظریف کہنا زیادہ موزوں ہوگا۔

(تجلی)



دینے کا جو الزام عائد کیا ہے اور "صحافتی دیانت کے مجروح کرنے" کا جو اتہام لگایا ہے پہلے اس کی حقیقت ملاحظہ ہو:۔

"خلافت معاویہؓ و یزیدؒ" کا کوئی نسخہ موجود ہو تو اس کا صفحہ ۲۴ کھول کر "کردار خلیفہ یزید" کی ذیلی سرخی کے تحت اول یہ فقرہ پڑھ لیجئے:۔

"ہم عصر حضرات کو جن میں کثیر تعداد صحابۂ رسول اکرم صلی اللہ علیہ اور تابعین کرام کی شامل تھی، امیر یزیدؒ کی سیرت اور کردار میں کوئی خامی ایسی نظر نہ آتی تھی جس کی بنا پر عقد بیعت خلافت ناجائز ٹھہرے یا بعد بیعت ان کے خلاف خروج و بغاوت کا جواز نکالا جا سکے۔"

سب سے پہلے تو امیر یزیدؒ کے صالح و نیکوکار، پابند نماز ہونے، نیک کاموں میں سرگرم اور سنت کا اتباع کرنے کے بارے میں دو بزرگوں کے اقوال پیش کئے گئے تھے۔ یہ دونوں بزرگ حضرت حسینؓ کے عزیز قریب ہیں ایک صحابی و ابن عم رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اور امت کے بڑے عالم (حبر الامت) و ترجمان القرآن یعنی حضرت عبداللہ بن عباسؓ ہیں اور دوسرے تابعی و برادر حسینؓ یعنی حضرت محمد بن علیؓ (ابن الحنفیہ) ہیں، جو واسع العلم و متقی و شجیع تھے اپنے دونوں بھائیوں حسنؓ و حسینؓ سے علم میں بلند تھے۔ خود فرماتے ہیں الحسن والحسین افضل منی وانا اعلم منھما (منتھٰی الاعلام قاموس التراجم خیر الدین الزرکلی) یعنی حسنؓ و حسینؓ مجھ سے افضل ہیں (حضرت فاطمہؓ بنت رسول اللہ کی فرزندیت کی بنا پر) لیکن میں ان دونوں سے علم میں بڑھ کر ہوں) ان دونوں بزرگوں نے امیر یزیدؒ کی بیعت خلافت بطیب خاطر و بلا تامل کی تھی اور اس پر اس درجہ مستقیم رہے کہ حضرت عبداللہ بن زبیرؓ کی دھمکیوں کے باوجود بیعت فسخ نہیں کی اور حضرت حسینؓ کو خروج سے باز رکھنے کی طرح طرح کوششیں کیں، نہ خود ان کا ساتھ دیا اور نہ اپنے بیٹوں میں سے کسی کو ان کے خروج میں ساتھ دینے کو بھیجا، حالانکہ حضرت حسینؓ نے اس بارے میں اصرار بھی کیا تھا۔

دو بلند پایہ مورخین بلاذری[1] اور ابن کثیرؒ کی کتابوں یعنی انساب الاشراف اور البدایہ والنہایہ سے

[1] بلاذری اور ابن کثیر بلند پایہ مورخ ہیں۔ ان کی عظمت کا انکار سورج روشن میں سورج کا انکار ہوگا لیکن یہ حقیقت بھی نہ فراموش کرنی چاہئے کہ تحقیق و تنقیح کی بجائے ان حضرات پر روایت دوستی کا جذبہ زیادہ طاری رہا ہے۔ ان کی تاریخوں میں صریح متضاد روایات اور بعض واضح البطلان کہانیوں کا پایا جانا ثبوت ہے اس بات کا کہ ان کی خداداد صلاحیتیں اور علمی تگ و تاز یاں تاریخی حقائق کی چھان پھٹک کے عوض اسی کوشش میں صرف ہوئیں کہ زیادہ سے زیادہ روایات محفوظ کر دیں۔ بے شک دیگر مورخین کے مقابلہ میں ان کا معیار قدرے بلند ہے لیکن ایسا بھی (بقیہ نوٹ اگلے صفحہ پر)

یہ روایتیں اخذ کی گئی ہیں۔ بلاذری نے اپنے استاد المدائنی متوفی ۲۲۵ھ کی سند سے روایت درج کی ہے المدائنی بڑے ثقہ و معتبر مورخ ہیں۔ دائرۃ المعارف اسلامیہ (اردو) میں ان کی تصانیف کے بارے میں یہ فقرہ ملتا ہے:۔

> یہ اس کی تصانیف کو معتبر و مستند ہونے کی حیثیت سے ایسی شہرت حاصل ہوئی کہ وہ بعد کے زمانہ کی تالیفوں کے لئے اہم ترین کتب ماخذ متصور ہونے لگیں اور موجودہ تحقیق و تدقیق (ریسرچ) نے بھی انہیں عام طور سے صحیح پایا۔ (ص ۵۳۴) المدائنی کی روایت میں بیان کیا گیا ہے کہ امیر المومنین سیدنا معاویہؓ کی خبر وفات سنکر حضرت ابن عباسؓ نے فرمایا تھا۔
>
> یا الٰہی معاویہ پر اپنی رحمت وسیع کیجیو، قسم بخدا وہ ان حضرات کی مثل تو نہ تھے جو ان سے پہلے گزر گئے مگر ان کے بعد ان جیسا بھی کوئی آنے والا نہیں؟
>
> یہ کہہ کر حاضرین کو مخاطب کیا اور فرمایا۔

| | |
|---|---|
| وان ابنه یزید لمن صالحی اهله فالزموا مجالسکم واعطوا طاعتکم وبیعتکم۔ (ص ۱۰ ج ۴ انساب الاشراف) | اور ان کا فرزند یزید اپنے خاندان کے نیکو کاروں میں سے ہے۔ تم لوگ اپنی اپنی جگہ بیٹھے رہنا اطاعت کرنا اور بیعت کرنا۔ |

المدائنی کی اسی روایت کو الامامۃ والسیاسۃ کے مولف نے بھی بہ تغیر الفاظ نقل کرتے ہوئے امیر یزیدؒ کی نیکی کے بارے میں صحابی رسول حضرت ابن عباسؓ کے یہ الفاظ درج کئے ہیں۔

| | |
|---|---|
| و ان ابنه لخیر اهله | اور قسم بخدا ان کا (معاویہؓ کا) بیٹا اپنے خاندان کا نیک اور اچھا فرد ہے۔ |

قاسمی صاحب نے کتاب کے صفحات ۱۹۱ و ۲۰۲ پر ان روایتوں کے تفصیلی بیان کو ضرور پڑھا ہوگا پھر ص ۳۴۰

---

(نوٹ سلسلہ صفحہ گزشتہ) بھی نہیں کہ آنکھیں بند کر کے ان پر اعتماد کر لیا جائے۔ بلاذری کے استاد المدائنی بے شک کافی ثقہ سمجھے جاتے ہیں۔ مگر ان کے بہت سے مراسیل بے حد قابل نظر ہیں اور جن روایتوں کا انہوں نے پورا سلسلۂ سند بیان کیا ہے ان پر بھی پورا بھروسہ مشکل ہے کہ غیر ثقہ یا مجہول راویوں سے ان کے بعض اسناد خالی نہیں ہیں۔ یہ حاشیہ بظاہر عباسی صاحب کے ارشاد پر اعتراض محسوس ہوگا، لیکن حقیقت میں یہی ان کی متنازع فیہ کتاب کے دفاع میں سب سے کارآمد اور حقیقی ہتھیار ہے۔ اسی کی بنیاد پر ہم ان روایات سے عہدہ برآ ہو سکتے ہیں، جنہیں معترضین بلاذری اور ابن کثیر ہی کی کتابوں سے نقل کر کے شور مچاتے ہیں کہ دیکھئے یہ تو آپ کے موقف اور دعوے کے خلاف ہیں، انہیں نظر انداز کر کے آپ نے بد دیانتی کی ہے وغیرہ۔ خود عباسی صاحب نے بھی اس حقیقت کو مقدمے مختلف الفاظ میں اپنی کتاب میں بھی اور پیش نظر مضمون میں بھی درج فرمایا ہے۔ (تجلی)



یہ الفاظ بھی ملاحظہ فرمائے ہوں گے۔

> یہ تاریخ سے ثابت ہے کہ حضرت عبداللہ بن عباسؓ مع دیگر اعیان بنی ہاشم سالہا سال تک بلاناغہ دمشق جاتے امیر المومنین حضرت معاویہؓ کے پاس مہینوں مقیم رہتے۔ اس طرح امیر یزیدؒ کے حالات اور کردار سے بخوبی واقف تھے اور اپنی اسی ذاتی واقفیت سے انہوں نے امیر موصوف کو صالح دیکھ کر بتایا بلا تامل و لطیب خاطر خود بیعت کی اور دوسروں کو بھی اطاعت اور بیعت کی ترغیب دی۔

کسی شخص کے ہم عصر کا بیان دوسروں کے مقابلے میں زیادہ مستند و قابل ترجیح ہوتا ہے۔ حضرت ابن عباسؓ تو امیر یزیدؒ کے عنفوان شباب ہی سے ان کے حالات سے ذاتی واقفیت رکھتے تھے اور قسطنطنیہ کے غزوہ میں چار پانچ مہینوں تک شب و روز ساتھ رہے تھے۔ امیر یزیدؒ کی صلاحیتوں اور علمی فضیلت کے معترف تھے جس کا ذکر ص ۴۳ پر کیا گیا ہے۔ حضرت ابن عباسؓ کے علاوہ حضرت حسینؓ کے بھائی حضرت محمد بن علی (ابن الحنفیہ) نے باغیان مدینہ کی جب وہ امیر یزیدؒ کی عیب جوئی کرنے لگے کیسی کچھ خبر لی تھی ان کے مکالمہ کو انساب الاشراف بلاذری سے ص ۴۰ پر درج کیا گیا ہے۔ علامہ ابن کثیر نے بھی ص ۲۳۳ ج ۸ پر اس مکالمہ کو درج کیا ہے[1]۔ یعنی ابن مطیع نے جب امیر المومنین یزیدؒ کے بارے میں یہ کذب بیانی کی کہ یزید شراب پیتا ہے۔ نماز ترک کر دی اور کتاب اللہ کے احکام کی خلاف ورزی کرتا ہے، تو حضرت محمد ابن الحنفیہؒ نے اور باتوں کے علاوہ فرمایا تھا کہ:۔

| | |
|---|---|
| وقد حضرته واقمت عنده فرایته مواظباً علی الصلوٰة متحریاً للخیر یسال عن الفقه ملازماً للسنة۔ (ص ۲۳۳ ج ۸ البدایہ والنہایہ) | میں تو ان کے (یزید کے) پاس گیا ہوں، ان کے پاس مقیم رہا ہوں، میں نے ان کو دیکھا ہے کہ وہ نماز کی پابندی کرتے ہیں، نیک کاموں میں سرگرم رہتے ہیں، مسائل فقہ پر گفتگو کرتے ہیں اور سنت نبوی کی پیروی کرنیوالے ہیں |

اب دیکھئے یہ بیان نہ صرف امیر المومنین یزیدؒ کے ایک ہم عصر کا ہے بلکہ ایسے بزرگ کا ہے جنہوں نے اپنی آنکھ سے ان کی دینداری کے حالات دیکھے تھے اور اسی بنا پر بد گویوں اور دروغ بافوں کے اتہامات کی تردید کی تھی۔ باغیان مدینہ تو حضرت ابن زبیرؓ کی خلافت قائم کرنے کا پروپگنڈہ ہی کر رہے تھے، انہوں نے تو اپنے حریف کی بدگوئی کرنا اپنے پروپگنڈے کے لئے ضروری سمجھا۔ کتاب کے ص ۴۳ پر قاسمی صاحب نے البدایہ والنہایہ کی یہ عبارت ملاحظہ کی ہوگی، جو خود بیعت کے مطالبہ کے جواب میں حضرت ابن الحنفیہؒ کے

---

[1] یہ پورا مکالمہ گزشتہ تجلی میں بھی نقل ہو چکا ہے۔ (تجلی)

انکار کے بارے میں درج ہے:۔

| | |
|---|---|
| وقد سئل محمد بن الحنفية فی ذلك فامتنع من ذلك اشد الامتناع وناظرهم وجادلهم فی یزید ورد علیهم ما اتهموا من شرب الخمر وترکه بعض الصلوات (ص۲۱۳ ج البدایہ والنہایہ) | اور جب (باغیان مدینہ نے) محمد بن الحنفیہ (برادر حسینؓ) سے یزیدؒ کی بیعت فسخ کرنے کے بارے میں کہا تو انہوں نے بہت سختی سے انکار کیا اور امیر یزید کی موافقت میں ان لوگوں سے بحث و مباحثہ کیا، ان سے لڑے جھگڑے اور جو اتہامات شراب نوشی اور بعض وقت نمازوں کے ترک کرنے کے یہ لوگ ان پر لگاتے تھے ان کی تردید کی۔ |

ص۳۸ کے مکالمے میں حضرت ابن الحنفیہؒ نے امیر یزیدؒ کے دفاع میں اتہامات کی پرزور تردید کی تھی وہ کتاب کے مطالعہ کرنے والے کو فراموش نہ ہوگی، خصوصاً اس وجہ سے کہ جب یہ لوگ حضرت موصوف کی دلیلوں سے عاجز ہوگئے تو رشوت پیش کرنے گئے اور کہنے لگے کہ:۔

"اچھا ہم تمہاری بیعت کرتے ہیں اور تمہیں خلیفہ بنانے کو تیار ہیں اگر تم ابن الزبیرؓ کی بیعت کے لئے تیار نہیں ہو۔"

لیکن حضرت موصوف نے یہ پیش کش حقارت سے ٹھکرا دی اور امیرالمومنین یزیدؒ کی بیعت پر قائم رہے اور اس میں طرح طرح کی تکالیف برداشت کیں۔

## تحقیق و ریسرچ

یہ تمہیدی فقرات طویل تو ہوگئے لیکن جس مقصد سے پیش کر رہا ہوں اس کی وضاحت کے لئے نیز مضمون نگار نے حوالہ جات کے بے جا تصرف و تلبیس، اور دو عبارتوں میں قطع و برید کرنے کے بارے میں جو افترا پردازی کی ہے اس کے اظہار شناعت کے لئے ضروری ہے کہ ناظرین کو بتایا جائے کہ امیر یزیدؒ کی ... کردار کے بارے میں تحقیق و تدقیق (ریسرچ) کا کتاب "خلافت معاویہؓ و یزیدؒ" میں جو بیان و طریق کار اختیار کیا گیا وہ یہ ہے:۔

| | |
|---|---|
| ۱۔ روایت مستند ماخذ سے لی جائے۔ | (بلاذری متوفی ۲۷۹ھ و علامہ ابن کثیر کی کتب تاریخ مستند ماخذ ہیں) |
| ۲۔ روایت بیان کرنے والا ثقہ و معتبر ہو | (علی بن محمد المدائنی نہایت معتبر و ثقہ سمجھے جاتے ہیں) |
| ۳۔ ایسے لوگوں کے اقوال پیش کئے جائیں جنہیں امیر یزیدؒ کے حالات سے ذاتی واقفیت ہو۔ | (جیسے حضرت عبداللہ بن عباسؓ اور حضرت محمد بن علی (الحنفیہؒ) کو ذاتی واقفیت تھی اس لئے ان کے چشم دید حالات بیان کئے گئے۔ |



قدیم مورخین کی اس خصوصیت کے پیش نظر کہ ایک ہی بات اور ایک ہی واقعہ کے متعلق متضاد روایتیں درج کردینے میں تامل نہیں کرتے راقم الحروف نے عرض مولف کی ابتداء ہی میں یہ بھی جتا دیا تھا کہ:۔

"روایت پرستی کی اس زمانہ میں ایسی وبا پھیلی کہ متاخرین بیشتر اپنے پیش رو مورخین سے نقل در نقل کرنے پر اکتفا کرتے رہے، علامہ ابن کثیرؒ نے تو بعض ایسی روایتوں کو جنہیں وہ صحیح نہ سمجھتے تھے طبری سے نقل کرتے ہوئے یہ کہہ کر اپنی روایت پرستانہ ذہنیت کا اعتراف بھی کیا ہے کہ:۔

| | |
|---|---|
| ولولا ابن جریر وغیره من الحفاظ والائمة ذکروه ما سقته۔ ( ص۲۰۳ ج البدایہ والنہایہ ) | اور اگر ابن جریر (طبری) وغیرہ جو حفاظ (روایات) اور ائمہ میں سے ہیں ان کو بیان نہ کرتے تو ہم بھی ترک کردیتے۔ |

تحقیق و تدقیق کا طریق کار اور ریسرچ کا جو اصول عملاً اختیار کیا گیا یعنی معاصرین کے اقوال اور چشم دید حالات کے بیانات کو جو مستند و معتبر ماخذ اور ثقہ راویوں کی روایت پر مبنی ہوں اعتبار کا درجہ حاصل ہوگا۔ متاخرین کے بیانات خصوصاً وہ بیانات اور اقوال جو بلا کسی سند کے پیش کئے گئے ہوں قابل اعتنا نہ ہوں گے اور اگر ایک ہی مورخ نے متضاد روایتیں درج کی ہوں تو ترجیح انہی روایتوں اور بیانات کو دی جائے گی جو سنداً معتبر اور درایتاً قابل قبول ہوں ان کے مخالف روایت کو ترک و حذف کردیا جائے گا۔ خصوصاً علامہ ابن کثیرؒ کے مندرجہ بالا قول کے مطابق البدایہ والنہایہ کے کسی ایسے بیان یا روایت کو جو دوسرے مستند بیان یا روایت کے متضاد ہو۔ ریسرچ کا یہی اصول اور یہی طریق کار ہے جو ہر سمجھدار اور پڑھے لکھے شخص کو مطالعہ کتاب کے وقت ہی بادنیٰ تامل معلوم و محسوس ہوگا۔

اب ملاحظہ ہو قاسمی صاحب کی شرمناک بہتان تراشی "دو کردار خلیفہ یزید" کی ذیلی سرخی کے تحت ص۴۰ کی آخری سطر سے ص۴۹ کی آخری سطر تک یعنی دس صفحات پر مستند کتب تاریخ وغیرہ کے پندرہ حوالہ جات درج ہیں جن میں پانچ البدایۃ والنہایہ کے ہیں۔ ان میں سے کسی ایک حوالہ میں لفظ تو کجا کسی شوشے کا بھی رد و بدل نہ بیجا تصرف ہے اور نہ کسی نوعیت کی کوئی تلبیس"

ص۴۰ سے ص۴۳ تک امیر یزید کی دینداری، پاکبازی و نیکوکاری کے بارے میں حضرت عبداللہ بن عباسؓ اور حضرت محمد بن علیؓ (ابن الحنفیہؒ) کے اقوال و بیانات بسند و بحوالہ جات معتبر درج ہیں اور یہ مضمون کہ امیر موصوف مذہبی اعمال کے پابند تھے، نماز پابندی سے پڑھتے تھے۔ سنت نبوی کے پیرو تھے، نیک کاموں میں سرگرم رہتے تھے ص۴۴ پر ختم ہوجاتا ہے، پھر آخر ص۴۴ سے ص۴۶ تک ان کی علمی فضیلت کا بیان ہے؛ ص۴۷ و

ص۳۲ میں ان کی خطیبانہ اہلیت کا تذکرہ ہے اور ایک خطبے کے فقرات بھی درج ہیں اور حضرت عبداللہ بن عباسؓ جیسے اعلم اہل زمانہ وحبر امت نے امیر یزیدؒ کی علمی قابلیت کا جن الفاظ میں اعتراف کیا ہے اس کا اظہار بھی ہے۔ ص۴۹ کی چوتھی سطر میں اس امر کا اظہار کرنے کے بعد کہ "وہ علم و فضل، تقویٰ و پرہیزگاری، پابندی صوم و صلوٰۃ کے ساتھ یہ (جن کی تفصیلات گزشتہ اوراق میں پیش کی گئی ہیں) "وہ امیر یزیدؒ صدر درجہ کریم النفس حلیم الطبع، سنجیدہ و متین تھے"۔ ایک عیسائی رومی مورخ نے ان کی سیرت کے بارے میں ان کے ہم عصر کا بیان ہم جن الفاظ میں پیش کیا ان کو درج کیا گیا ہے یعنی یہ وہ (یزید) صدر درجہ حلیم و کریم، سنجیدہ و متین، غرور و خود بینی سے مبرا، اپنی زیردست رعایا کے محبوب، تزک و احتشام شاہی سے متنفر تھے، عام شہریوں کی طرح سادہ معاشرت سے زندگی بسر کرنے والے اور مہذب تھے"۔

اس کے بعد یہ فقرہ درج کر کے کہ:۔

"علامہ ابن کثیرؒ نے ان کے بارے میں اسی قسم کے الفاظ تحریر کئے ہیں،، البدایہ والنہایہ کی وہی عبارت نقل کی ہے جن سے ان کے خصائل محمودہ حلم و کرم اور فصاحت وغیرہ اور حسن معاشرت کا اظہار ہوتا ہے جن کا تذکرہ رومی مورخ کے مندرجہ بالا فقرے میں کیا گیا ہے۔ اس موقع پر نہ امیر یزیدؒ کی دینداری و نیکوکاری کے بیان کے اعادہ کا کوئی محل تھا، کیونکہ یہ ذکر جیسا کہ ابھی بحوالہ صفحات بیان کیا گیا پہلے ہی ہو چکا تھا اور نہ ان کی بے دینی یا نماز کے بعض اوقات ترک کر دینے کی کسی بے سند اور غیر معتبر روایت کی تردید و تکذیب کی ضرورت تھی کیونکہ حضرت ابن الحنفیہؒ کے بیان سے اس کی پہلے ہی تکذیب ہو چکی تھی۔ مندرجہ بالا فقرے میں تو صاف لکھا گیا ہے کہ علامہ ابن کثیرؒ نے رومی مورخ کے بیان یعنی ان کے حلم و کرم وغیرہ کے بارے میں اسی قسم کے الفاظ تحریر کئے ہیں چنانچہ وہ الفاظ یہ ہیں:۔

| | |
|---|---|
| وقد كان يزيد فيه خصال محمودة من الكرم والحلم والفصاحة والشعر والشجاعة وحسن الرأي في الملك (ص۲۳۰ ج البداية والنهاية) | اور یزید کی ذات میں قابل ستائش صفات حلم و کرم فصاحت و شعرگوئی اور شجاعت و بہادری کی تھیں نیز معاملات حکومت میں عمدہ رائے رکھتے تھے اور معاشرت کی خوبی و عمدگی بھی ان میں تھی۔ |

ان ہی الفاظ کو علامہ ذہبی نے اپنی تالیف تاریخ الاسلام وطبقات المشاہیر و اعلام کی ج۳ ص۹۴ پر درج کیا ہے جس کا حوالہ بھی کتاب میں موجود ہے۔ علاوہ ازیں یہی الفاظ صرف اتنے سے تغیر کے ساتھ کہ "خصال محمودہ،، کے بجائے "خصال حمیدہ" لکھا گیا ہے۔ عینی (تاریخ) میں بھی موجود ہیں (مخطوطہ پیرس بحوالہ خلیفہ یزید ص۴۲ لامنؔ) دیگر مورخین نے بھی ان ہی کلمات کے نقل کرنے پر اکتفا کیا اور وہ کلمات ترک



کر دئے جن میں کہا گیا ہے "وہ اور نیز اس میں (یزید) میں خواہشات نفسانیہ میں انہماک اور بعض اوقات بعض نمازوں کا ترک کر دینا بھی پایا جاتا تھا اور ان کو وقت بے وقت بھی اکثر پڑھتا تھا"۔ مضمون نگار فرماتے ہیں کہ اس عبارت کو "عباسی صاحب نے ریسرچ کا پورا حق ادا کرنے کے لئے چھوڑ دیا"۔ ان صاحب کی خواہش کے مطابق اس عبارت کو ترک و حذف نہ کیا جاتا تو تحقیق و تدقیق و ریسرچ کی صورت کچھ اس طرح ہوتی:۔

| | |
|---|---|
| **قول ابن عباسؓ** | **قول بے سند** |
| (۱) وان ابنه يزيد لمن صالحي اهله<br>اور ان کا (معاویہؓ کا) فرزند اپنے خاندان کے نیکو کاروں میں ہے۔<br>(۲) ووالله ان ابنه لخير اهله<br>(اور قسم بخدا ان کا (معاویہ کا) بیٹا اپنے خاندان کا نیک شخص ہے) | وكان فيه ايضا اقبال على الشهوات<br>(اور نیز اس میں (یزید میں) خواہشات نفسانیہ کا انہماک تھا) |
| **قول ابن الحنفیہؒ** | **قول بے سند** |
| (۱) وقد حضرته واقمت عنده فرأيته مواظبا على الصلوٰة۔<br>اور میں ان کے (یزید کے) پاس گیا ہوں، ان کے پاس مقیم رہا ہوں ان کو نماز کا پابند پایا ہے۔ | (۱) وترك الصلوٰة في بعض الاوقات واماتتها في غالب الاوقات۔<br>(اور بعض اوقات بعض نمازوں کا ترک بھی کر دیتا تھا اور نمازوں کو بے وقت بھی اکثر اوقات پڑھتا تھا) |

قاسمی صاحب کی خواہش کے مطابق کیا ریسرچ کا "وہ پورا حق" اس نوعیت سے ادا کیا جاتا جس کا خاکہ اوپر پیش کیا گیا ہے کہ ایک ہی شخص کو ایک ہی سانس میں نیکوکار بھی بتایا جاتا اور بدکار بھی، نماز کا پابند بھی اور تارک بھی، نیک کاموں میں سرگرم بھی ظاہر کیا جاتا اور شہوات نفسانیہ کا ملوث بھی، سنت کا پیرو بھی کہا جاتا اور بے وقت کی نمازیں پڑھانے والا بھی۔ اس قول بے سند کو ترک و حذف کرنا تھا تو اسی قبیل کے اور متعدد اقوال اور روایات واہیہ کو بھی جو ان ہی کتب میں درج ہیں کیوں ترک کیا جائے، ایسا ہے تو پھر تحقیق و تدقیق اور ریسرچ ہی پر کیوں وقت و محنت صرف کی جائے نقل روایت بند کر کے ہر رطب و یابس کو ٹانک دیا جائے۔ کون صحیح العقل اس قسم کی خرافات کو ریسرچ کا نام دے جس کسی میں حق پسندی کا ادنیٰ سا شائبہ بھی ہوگا وہ حضرت ابن عباسؓ و حضرت ابن الحنفیہؒ کے اقوال (حاشیہ اگلے

میں قولِ بے سند کو کیسے مان سکتا ہے۔ یہ اقوال مستند ترین ماخذ اور ثقہ و معتبر ترین راویوں کی سند اور حوالجات سے پیش کئے گئے ہیں اور ان اقوال کی تائید مزید خود ان کے موقف اور طرز عمل سے ہوتی ہے کہ امیر یزیدؒ کی بیعت خلافت پر کس استقلال و استقامت سے قائم رہے، چونکہ امیر موصوف کی بیعت پہلے ہو چکی تھی احکام شریعت کے مطابق حضرت ابن زبیرؓ کے اقدام کو غلط قرار دیا، حالانکہ وہ صحابی ہونے کا امتیاز بھی رکھتے تھے۔ ایسی روشن مثالوں کے ہوتے ہوئے کسی قول بے سند کو اتنی اہمیت دی جائے کہ اس کے ترک و حذف پر دھوکہ دہی، تلبیس اور لوگوں کی آنکھوں میں خاک جھونکنے کے ذلیل الزامات عائد کئے جائیں، کیا کسی ریسرچ اسکالر اور محقق کا یہ اولین اور اہم ترین فرض نہیں کہ قوی و ضعیف، صحیح و سقیم روایتوں اور بیانات کی چھان بین کرکے صحیح اور قوی کو اختیار کرے اور ضعیف و سقیم کو ترک و حذف کرے آخر تحقیق و ریسرچ کا مقصد اس کے سوا اور کیا ہے۔ "یزید دشمنی" کا پردہ فہم و ادراک پر حائل ہو تو ریسرچ کا کیا قصور ہے

گر نہ بیند بروز شپرہ چشم
چشمۂ آفتاب را چہ گناہ

---

لہ حضرت ابن عباسؓ، ابو سعید الخدریؓ اور حضرت ابن الحنفیہؒ کے جن فرمودات کو عباسی صاحب بجا طور پر اس کا مستحق سمجھتے ہیں کہ ان کے خلاف ہر روایت کو کوڑے پر پھینکدیں ان کی بعض سندیں تو عام طور پر بیان ہوتی ہی ہیں جو کافی مضبوط ہیں، لیکن اگر قاسمی صاحب یا کوئی اور بزرگوار ان سندوں میں کلام کرتے ہوئے انہیں ضعیف ثابت کرنے کی سعی فرمائیں تو یہ عاجز پانچ سندیں اور ایسی پیش کر سکتا ہے جو عام طور پر بیان نہیں ہو رہی ہیں اور جن کے کسی بھی راوی کو کتب رجال میں ساقط الاعتبار یا غیر ثقہ نہیں کہا گیا ہے۔ اس کے برعکس یزید کے فسق و فجور پر دلالت کرنے والی ایک بھی روایت مفروضہ ایسی نہیں پائی جاتی جو جرح و تعدیل کی سان پر چڑھ کر کھیل کھیل نہ ہو جائے۔ چہ جائے کہ بقول مولانا محمد طیب صاحب فسق یزید تواتر معنوی رکھتا ہو، تواتر اور اجماع کی مقدس اصطلاحوں کا جو حلیہ مولانا موصوف نے ردّ عباسی میں بتایا ہے قابل دید ہے۔ (تجلی)

---



## (۲)

البدایہ والنہایہ کی ایک اور مختصر سی عبارت کے بارے میں جو "جہاد قسطنطنیہ و بشارت مغفرت" کے ذیلی عنوان کے تحت "خلافت معاویہؓ و یزیدؒ" میں نقل ہوئی ہے اور دس بارہ لفظوں سے زائد نہیں، عزیز احمد قاسمی فرماتے ہیں کہ "مذکورہ بالا عبارت ہی کے آخر میں" ایک اور عبارت بھی ہے۔ جسے عباسی صاحب نے دیدہ و دانستہ ترک کردیا تاکہ لوگ غلط فہمی میں مبتلا ہو جائیں مگر لطف یہ ہے کہ غلط فہمی میں مبتلا کرنے کا یہ ارتکاب تو خود قاسمی صاحب ہی کے قلم سے ہوا ہے جیسا کہ ابھی آئندہ سطور میں صحیح صورت حال پیش ہونے پر آپ بخوبی اندازہ کر سکیں گے۔

کتاب "خلافت معاویہؓ و یزیدؒ" کے صفحات ۱۱۲ تا ۲۰ پر مندرجہ بالا عنوان سے اس تاریخی حقیقت کا چند جملوں میں اظہار کرنے کے بعد کہ روم و ایران جیسی دشمن اسلام شہنشاہیتوں کے خلاف خلیفہ رسول اللہ امام اول حضرت صدیق اکبرؓ کے زمانہ سے جو جہادی سرگرمیاں شروع ہوئیں اور زبردست کامیابیوں کے ساتھ برابر ہوتی رہیں ان کا سلسلہ حضرت علیؓ کے ایام میں بوجہ سفاکانہ خانہ جنگیوں کے بالکلیہ منقطع ہو گیا تھا، اور صفین کے افسوسناک نتائج میں یہ جہادی سرگرمیاں حضرت معاویہؓ کو عارضی طور سے ملتوی کردینی پڑی تھیں بیان کیا گیا تھا کہ زمام خلافت اپنے ہاتھ میں لینے کے کچھ عرصہ بعد سے انہوں نے رومی عیسائیوں کے خلاف از سر نو یہ جہاد شروع کئے۔ چنانچہ ۴۹ھ میں قیصر روم کے مستقر قسطنطنیہ پر جو اسلامی فوج بھیجی تھی اس کے قائد و سپہ سالار امیر یزیدؒ تھے اور ان ہی کی اس فوج میں حضرت حسینؓ بھی موجود تھے۔ نیز صحابۂ کرامؓ کی ایک جماعت بھی تھی جس میں حضرت ایوب انصاریؓ بھی شامل تھے یہی پہلی اسلامی فوج تھی جو مدینہ قیصر پر حملہ آور ہوئی تھی اور جس کی بشارت مغفرت لسان نبوی سے یوں دی گئی ہے کہ: "اول جیش من امتی یغزون مدینۃ قیصر مغفور لہم" (صحیح بخاری) یعنی

میری امت کی پہلی فوج جو قیصر کے شہر (قسطنطنیہ) پر غزا و جہاد کرے گی اس کے لئے مغفرت ہے

اس حدیث کو نقل کرنے کے ساتھ مختلف کتب تاریخ وغیرہ کے حوالہ جات سے بتایا گیا تھا کہ اس پہلی اسلامی فوج میں کون کون صحابہؓ شامل تھے، کیا کیا حالات پیش آئے یعنی میزبان رسول و محترم صحابی حضرت ابوایوب انصاریؓ کی جب موت کا وقت آپہنچا آپ نے قائد عسکر امیر یزید کو کیا وصیت کی اور ان کی تدفین کے بارے میں کیا واقعات پیش آئے۔ ان سب حالات کو اختصار کے ساتھ بیان کرتے ہوئے لکھا تھا کہ:۔

"اسی جہاد کے دوران حضرت ابوایوب انصاریؓ کی وفات ہوئی۔ اس وقت آپ کی عمر اسی سال سے متجاوز تھی۔ اس کبر سنی میں آپ نے اتنے دور دراز مقام پر جہاد میں شرکت حدیث نبوی کی بشارت مغفرت کی وجہ سے کی تھی۔ جب آپ کا آخری وقت آپہنچا آپ نے امیر عسکر، امیر یزیدؒ کو وصیت کی کہ میرا جنازہ سرزمین عدو میں

جتنی دور لے جاسکو لے جاکر دفن کرنا اور میرا سلام اور یہ حدیث مسلمانوں کو پہنچانا جو میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی زبان مبارک سے سنی ہے۔ آپ نے فرمایا:۔

من مات ولا یشرک باللہ شیئاً جعلہ اللہ فی الجنۃ۔

یعنی جو شخص اس حالت میں فوت ہوا کہ اللہ کے ساتھ کسی کو شریک نہ کرتا تھا اسے جنت نصیب کریں گے

امیر یزیدؒ نے ان محترم صحابی میزبان رسول کے جنازہ کی نماز پڑھائی اور حسب وصیت قسطنطنیہ کی فصیل کے پاس جہاں اب آپ کا عالی شان مزار اور اس کے متصل مسجد واقع ہے، دفن کیا۔

وکان (ابوایوب الانصاریؓ) فی جیش یزید بن معاویۃ والیہ اوصٰی وھو الذی صلی علیہ (البدایہ والنہایہ ج ۸ ص۵۹)

اور (ابوایوب انصاریؓ) یزید بن معاویہؓ کے لشکر میں شامل تھے، انہوں نے اسی (یزید) کو وصیت کی اور اسی (یزید) نے ان کے جنازے کی نماز پڑھائی۔

ظاہر ہے کہ تمام مسلمانوں نے جو امیر یزیدؒ کے لشکر میں شامل تھے بشمول حضرت حسینؓ جنازے کی نماز میں بامامت امیر یزیدؒ شرکت کی اور میزبان رسول کی تدفین میں شریک رہے۔ طبری جیسے شیعی مورخ کا بھی یہ بیان ہے کہ وہ ابوایوب الانصاریؓ کی وفات اس سال ہوئی جب یزید بن معاویہؓ نے اپنے والد کی خلافت کے زمانہ میں قسطنطنیہ پر جہاد کیا تھا۔ (ج ۶ ص ۱۳) الی آخرہ۔

## ترک مکررات

یہ ہیں وہ فقرات جو جہاد قسطنطنیہ و بشارت مغفرت" کے تحت عنوان اس جہاد کے تاریخی حالات کے سلسلہ میں ضبط تحریر میں لائے گئے اور اسی سلسلے میں البدایہ والنہایہ کی مندرجہ بالا عبارات بھی اس غرض سے درج کی گئی کہ حضرت ابوایوب الانصاریؓ جیسے بلند پایہ صحابی امیر یزیدؒ کے لشکر میں شامل تھے انہوں نے مرتے وقت امیر موصوف ہی کو وصیت کی اور انہوں نے ہی ان محترم صحابی کے جنازے کی نماز پڑھائی۔ اب ذرا البدایہ والنہایہ کی وہ عبارت ملاحظہ ہو جس کے متعلق قاسمی صاحب فرماتے ہیں کہ "مذکورہ بالا عبارات ہی کے آخر" کی عبارت اس نے ترک کردی گئی کہ لوگ غلط فہمی میں مبتلا ہو جائیں۔ یہ دونوں عبارتیں جس طرح البدایہ والنہایہ کے صفحات ۵۸ و ۵۹ پر بذیل تذکرہ حضرت خالد بن زید بن کلیب یعنی حضرت ابوایوب الانصاریؓ درج ہیں ملاحظہ ہو، وہ یہ ہیں:۔

وکان ابوایوب الانصاریؓ فی جیش یزید بن معاویۃ والیہ اوصٰی، وھو الذی صلی علیہ۔ وقد قال الامام احمد حدثنا عثمان ثنا ھمام ثنا ابو عاصم عن رجل من اھل

اور ابوایوب الانصاریؓ یزید بن معاویہؓ کے لشکر میں تھے۔ اسی (یزید) کو انہوں نے وصیت کی اور اسی یزید نے ان کے جنازے کی نماز پڑھائی۔ اور امام احمد (بن حنبلؒ) نے فرمایا کہ ہم سے عثمان نے ان سے ہمام



مکۃ ان یزید بن معاویۃ کان امیرًا علی الجیش الذی غزا فیہ ابوایوب فدخل علیہ عند الموت فقال لہ اذا انا مت فاقرأوا علی الناس منی السلام واخبروھم انی سمعت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم یقول من مات ولا یشرک باللہ شیئاً جعلہ اللہ فی الجنۃ، ولینطلقوا فیبعد وابی فی ارض الروم ما استطاعوا قال فحدث الناس لما مات ابوایوب فاسلم الناس وانطلقوا بجنازتہ (ص۵۸ و ۵۹)

نے ان سے ابو عاصم نے اہل مکہ کے ایک شخص نے یہ روایت بیان کی کہ یزید بن معاویہؓ اس فوج کے سردار تھے جس میں شامل ہو کر ابوایوب (الانصاریؓ) نے جہاد کیا تھا۔ ان کے مرنے کے وقت (یزید) ان کے پاس گئے تھے، سو انہوں نے ان سے (یزید) سے فرمایا کہ میں جب مرجاؤں میرا سلام لوگوں کو پہنچا دینا اور بتا دینا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو میں نے یہ فرماتے سنا ہے کہ جو شخص اس حالت میں مرجائے کہ اللہ کے ساتھ کسی کو شریک نہ جانتا تھا اللہ تعالیٰ اس کو جنت نصیب کریں گے اور میرا جنازہ سرزمین روم میں جہاں تک تم لیجا سکو لے جاکر دفن کردینا۔ (امام) احمدؒ نے کہا کہ جب ابوایوب الانصاریؓ کی وفات ہوگئی یزید نے لوگوں سے وصیت مرحوم کی بتائی لوگوں نے اسے قبول کیا اور ان کے جنازے کو لے گئے۔"

صرف خط کشیدہ الفاظ کتاب "خلافت معاویہؓ و یزیدؒ" میں نقل ہوئے ہیں اور ان کے آخر کی مندرجہ بالا کل عبارت کا ترجمہ و مضمون کتاب میں شامل ہے اور اس غرض سے شامل ہے کہ جہاد قسطنطنیہ میں شریک ہونے والے ایک محترم صحابی کے وفات پانے اور وفات سے پہلے امیر عسکر امیر یزیدؒ کے ان کی عیادت کے لئے ان کے پاس جانے، مرحوم کی مرتے وقت انہیں وصیت کرنے، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی حدیث سنانے اور اس حدیث کو مسلمانوں کو پہنچا دینے کی وصیت کرنے نیز سرزمین روم میں ان کی تدفین کرنے کا یہ سب واقعہ اس میں مذکور ہے چنانچہ اس اقتباس میں یہ حدیث من مات ولا یشرک باللہ شیئاً جعلہ اللہ فی الجنۃ نہ صرف اس لئے درج کی گئی کہ حضرت ابوایوب الانصاریؓ نے اس کے روایت کرنے کی وصیت امیر یزیدؒ کو کی تھی، بلکہ یہ حدیث آیت قرآنی اِنَّ اللّٰہَ لَا یَغْفِرُ اَنْ یُّشْرَکَ بِہٖ وَیَغْفِرُ مَا دُوْنَ ذٰلِکَ لِمَنْ یَّشَآءُ (النساء) کے بھی مطابق ہے۔ اب آپ بخوبی اندازہ کر سکتے ہیں کہ البدایہ سے کتاب کے ذیلی عنوان "جہاد قسطنطنیہ و بشارت مغفرت" کے تحت جو مضمون بیان ہو سکتا تھا وہ ہی اخذ کیا گیا۔ مکررات یا وہ حدیث جس کی روایت کی وصیت نہ امیر یزید کو کی گئی اور نہ ان سے بیان کی گئی ترک و حذف کردی گئی یعنی البدایہ والنہایہ کی مندرجہ بالا عبارت کے بعد کی حسب ذیل مکررات ہیں جو حذف کرنے مناسب اور ضروری تھے حذف کئے گئے۔

وقال احمد۔ حدثنا اسود بن عامر ثنا

امام احمد (بن حنبلؒ) نے اپنے اسناد سے بیان کیا

| | |
|---|---|
| ابوبکر عن الاعمش عن ابی ظبیان قال! غزا ابو ایوب مع یزید بن معاویة قال! فقال اذا مت فادخلونی فی ارض العدو فادفنونی تحت اقدامکم حیث تلقون العدو قال. ثم قال سمعت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم یقول من مات ولا یشرک باللہ شیئاً دخل الجنة | کہ ابو ایوب انصاری رضی اللہ عنہ نے یزید بن معاویہ کے ساتھ جہاد کیا تھا، امام صاحب نے یہ بھی کہا کہ انہوں نے (ابو ایوب انصاری رضی اللہ عنہ) نے فرمایا تھا کہ میں جب مر جاؤں میرے جنازے کو سرزمین عدو میں پہنچا دینا اور جہاں دشمن سے مڈبھیڑ ہو وہاں اپنے قدموں تلے دفن کر دینا پھر فرمایا کہ میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو یہ فرماتے سنا ہے کہ جو شخص اس حالت میں مر جائے کہ اللہ کے ساتھ کسی کو شریک نہ کرتا تھا وہ جنت میں داخل ہوگا۔ |

اس عبارت میں بھی اسی مضمون کا اعادہ ہے، جو پہلے درج ہو چکا، حدیث کے الفاظ میں صرف اتنا فرق ہے کہ بجائے جعلہ اللہ فی الجنة کے دخل الجنة بیان گیا ہے۔

اب اس کے بعد کا دوسرا فقرہ ملاحظہ ہو کہ وہ بھی سابقہ مضمون کا اعادہ ہے۔

| | |
|---|---|
| درواہ احمد عن ابن نمیر ویعلی بن عبید عن الاعمش سمعت ابا ظبیان فذکرہ وقال فیه. ساحدثکم حدیثا سمعته من رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم لولا حالی هذا ما حدثتکموہ سمعت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم یقول من مات ولا یشرک باللہ شیئاً دخل الجنة۔ | امام احمدؒ نے اس کو روایت کیا ہے۔ ابن نمیر اور یعلی بن عبید سے انہوں نے الاعمش سے انہوں نے کہا کہ میں نے ابو ظبیان کو (ابو ایوب انصاریؓ) کا تذکرہ کرتے ہوئے سنا ہے، جس میں انہوں نے یہ فرمایا تھا کہ میں اب تم لوگوں سے وہ حدیث بیان کرتا ہوں جو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے سنی ہے اور اگر میرا یہ حال نہ ہوتا تو میں تم سے نہ بیان کرتا |

میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو یہ فرماتے سنا ہے کہ جو شخص اس حالت میں فوت ہو کہ اللہ کے ساتھ کسی کو شریک نہ کرتا تھا وہ جنت میں داخل ہوگا۔"

یہ دونوں عبارتیں جو اسی ایک بات کا اعادہ کرتی ہیں جو بیان ہو چکی حذف کی گئیں اور کی جانی چاہئیں تھیں اب دیکھئے تیسری مرتبہ پھر یہی بات ایک اور عبارت میں جس کے ترک کر دینے کا شکوہ قاسمی صاحب کو ہے دہرائی جاتی ہے اور برخلاف اس حدیث کے جو تین مختلف سلسلہ اسناد سے اوپر کی عبارتوں میں بیان ہو چکی ہے اور جس کے روایت کرنے کی وصیت حضرت ابو ایوب انصاریؓ نے مرتے وقت امیر یزیدؒ



کو کی تھی، اس کے علاوہ ایک نئی حدیث بیان کی جاتی ہے اور کہا جاتا ہے کہ ان مرحوم نے مرتے وقت یہ کہہ کر لوگوں کو سنائی تھی کہ اب تک یہ حدیث میں تم لوگوں سے چھپائے ہوئے تھا اب بیان کئے دیتا ہوں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ وہ اگر تم لوگ گناہ نہ کرتے تو اللہ ضرور ایسی قوم پیدا کر دیتا جو گناہ کا ارتکاب کرے تاکہ اللہ ان کی مغفرت کرے، یہ روایت کے اصل لفظ یہ ہیں:۔

| | |
|---|---|
| عن ابو ایوب الانصاریؓ انه قال حین حضرته الوفاة. قد کنت کتمت عنکم شیئاً سمعته من رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سمعته یقول لولا انکم تذنبون لخلق اللہ قوما یذنبون فیغفرلھم | ابو ایوب انصاریؓ سے روایت ہے کہ انہوں نے اپنے مرتے وقت فرمایا کہ میں تم لوگوں سے ایک حدیث چھپائے ہوئے تھا جو میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے سنی تھی، آپ کو یہ فرماتے سنا تھا کہ اگر تم لوگ گناہ نہ کرتے تو اللہ ضرور ایسی قوم پیدا کرتا جو گناہ کا ارتکاب کرتی تاکہ وہ ان کی مغفرت کرے۔ |

قطع نظر ان شبہات کے جو ایسی روایت کے سننے یا پڑھنے سے ہر سمجھدار شخص کے دل میں پیدا ہوں گے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ارشادات کیا لوگوں سے چھپانے کے لئے تھے یا بیان کرنے کے لئے۔ ایک محترم صحابی نے آخر آپ کے ارشاد کو تمام عمر کیوں چھپائے رکھا بیان کیا تو مرتے وقت! پھر یہ قول جو حضور انورؐ سے منسوب کیا جاتا ہے کہ اللہ کی یہ مرضی ہے کہ لوگ گناہ کرتے رہیں۔ سیئات وذنوب میں مبتلا ہوتے رہیں تاکہ بقول قاسمی صاحب "اللہ کی صفت مغفرت ظہور پذیر اور کارفرما ہو" کیا یہ قول اور اللہ تعالیٰ کے بارے میں یہ تصور اسلامی عقائد و تعلیمات سے کچھ مطابقت رکھتا ہے یا نہیں قطع نظر ان باتوں کے غور طلب یہ امر تھا کہ حضرت ابو ایوب انصاریؓ نے وقت وفات کیا دو مختلف حدیثیں سنائی تھیں جو معنی و مطالب کے اعتبار سے متضاد تھیں، ایک حدیث تو جیسا بیان ہو چکا، کلام اللہ کی آیت کے مضمون کے مطابق ہے اور اس کے روایت کرنے کی وصیت امیر یزیدؒ کو کی تھی، اس لئے وہ کتاب کے مذکورہ بالا عنوان کے تحت درج کی گئی اور دوسری جو نہ ان کو سنائی تھی اور نہ ان کی وصیت کی تھی اور نہ آیات بینات کے کسی مضمون سے وہ مطابقت رکھتی ہے اور نہ جہاد قسطنطنیہ و بشارت مغفرت کے تحت بیان کئے جانے سے اس کا کوئی واسطہ و تعلق تھا، ہو سکتا تھا وہ مع الفاظ روایت ترک و حذف کی گئی اور دیدہ و دانستہ ترک کی گئی تاکہ لوگ غلط فہمی میں مبتلا نہ ہوں۔ مندرجہ بالا عنوان کے تحت جہاد قسطنطنیہ کے سلسلے میں صرف وہی واقعات بیان کئے جا سکتے تھے اور کئے گئے جن کا ذکر اوپر ہو چکا ہے۔

## موضوع روایتیں

امیر یزیدؒ کے کیرکٹر کے متعلق کچھ ذکر کرنے یا کسی اتہام کی تردید و تکذیب کا مندرجہ بالا عنوان کے تحت کوئی موقع و محل نہ تھا۔ قاسمی صاحب نے بہ فریب

الفاظ ہیں یہ ذکر اس موقع پر چھیڑ دیا ہے اس لئے عرض کر دینا پڑا کہ البدایہ والنہایہ کے مصنف کا سنہ وفات ۷۷۴ھ ہے، یعنی امیر یزیدؒ کے زمانے سے سات سو برس بعد۔ ان صدیوں میں بنی امیہ اور امیر معاویہؓ وامیر یزیدؒ کی منقصت میں طرح طرح کی روایات کا طومار اکٹھا ہوا اور ان تک پہنچا۔ لیکن غنیمت ہے کہ اپنی تالیف میں انہوں نے جا بجا اس کی تکذیب بھی کر دی ہے۔ مثلاً امیر یزیدؒ کے ترجمہ میں ایک جگہ لکھتے ہیں کہ :۔

| | |
|---|---|
| وقد اورد ابن عساکر احادیث فی ذم یزید بن معاویہ کلھا موضوعۃ لا یصح شیٔ منھا۔ | اور ابن عساکر جو احادیث یزید بن معاویہ کی مذمت میں لائے ہیں وہ سب کی سب موضوع ہیں ان میں سے کوئی بات بھی صحیح نہیں۔ |

باایں ہمہ علامہ ابن کثیرؒ نے اس حدیث پر کہ "اگر تم لوگ گناہ نہ کرتے تو اللہ ضرور ایسی قوم پیدا کرتا جو گناہ کا ارتکاب کرے اور اللہ ان کی مغفرت کرے"۔ حاشیتاً نظر ڈالنے کے بجائے ایک ریمارک کر دیا ہے اگرچہ ساتھ ہی "واللہ تعالیٰ اعلم" لکھ کر یہ بھی جتا دیا ہے کہ اپنے قول پر ان کو پورا وثوق و اعتماد بھی نہیں ہے فرماتے ہیں کہ :۔

"دومیرے نزدیک اس حدیث اور اس سے قبل کی حدیث نے یزید بن معاویہؓ کو امید مغفرت دلا کر عمل میں سست کر دیا جس کے سبب بہت سے ایسے افعال پر آمادہ کر دیا جس کو ناپسند کیا گیا جیسا کہ ہم ان کے تذکرہ میں بیان کریں گے واللہ تعالیٰ اعلم" تذکرۂ یزید میں تو ایسا کوئی بیان نہیں ہے۔ قاسمی صاحب نے جو ترجمہ علامہ موصوف کی اس مختصری عبارت کا کیا ہے، ذرا ملاحظہ ہو کہ تحریف و تلبیس سے صحافی دیانت کو کس طرح مجروح کیا ہے۔

| | |
|---|---|
| عندی ان ھذا الحدیث والذی قبلہ حمل یزید بن معاویۃ علی طرف من الارجاء ورکب لسببہ افعالاً کثیرۃ انکرت علیہ کما سنذکرہ فی ترجمتہ واللہ تعالیٰ اعلم۔ | میرا خیال یہ ہے کہ یہ حدیث اور اس سے پہلے والی حدیث (جس کے اصل منشاء کے برخلاف ان کے ظاہری مفہوم نے یزید بن معاویہؓ کو اس پر آمادہ کر دیا کہ گویا اس کا یہ اعتقاد ہو گیا کہ عمل کا ایمان سے کوئی تعلق نہیں جو چاہو کرو ایمان بہرحال قائم رہے گا اور بظاہر اس اعتقاد نے اس کو ایسے بہت سے افعال پر آمادہ کر دیا جن کو سب ہی نے برا سمجھا اور اس پر اعتراض کیا جن کی تفصیل یزید کے تذکرے کے وقت بیان کریں گے۔ |

معمولی عربی داں سمجھ سکتا ہے کہ خط کشیدہ فقرے اور الفاظ قاسمی صاحب کے طبع زاد اور من گھڑت



ہیں۔ عربی عبارت کے کسی لفظ اور فقرے کا نہ یہ ترجمہ ہے اور نہ مفہوم۔ اردو ترجمہ میں "واللہ تعالیٰ اعلم" کو ترک کر دیا، حالانکہ علامہ ابن کثیرؒ نے اپنے خیال پر پورا وثوق نہ ہونے کے اظہار کی غرض سے اس کو خاتمہ عبارت پر لکھ دیا تھا۔ صاف ظاہر ہے کہ یہ حرکت لوگوں کو غلط فہمی میں مبتلا کرنے کے لئے کی گئی ہے۔ پھر البدایہ کی اس عبارت کے ترجمہ میں تحریف و تلبیس کا ارتکاب کرنے اور اپنے معہود ذہنی کے مطابق غلط مطلب نکالنے کے بعد تبرائی انداز میں فرماتے ہیں کہ :۔

"وہ اسلامی احکام سے لاپرواہ، من مانی کارروائیاں کرنے والا، ارشادات نبوی صلی اللہ علیہ وسلم کو غلط معنی پہنانے والا، ایسے افعال قبیحہ کا مرتکب تھا جن کو امت نے برا سمجھا اور اس پر اعتراض کیا"

مگر صاحب البدایہ نے تو یہ باتیں کہیں بھی نہیں کہیں۔ یہ تو جامد و مفلوج ذہنیت کے سبائیت زدہ اشخاص کی سی خرافات ہے، جس کی کامل تردید حضرت حسینؓ کے بھائی حضرت محمد بن علیؒ (ابن الحنفیہ) جیسے بلند پایہ عالم کے اس ارشاد سے ہو جاتی ہے جو خود ان ہی علامہ ابن کثیرؒ نے تذکرہ یزید کے سلسلے میں درج کیا ہے۔ یعنی باغیان مدینہ کا وفد جب حضرت موصوف کی خدمت میں اس غرض سے حاضر ہوا کہ وہ خلیفہ وقت کے خلاف بغاوت میں مدد کریں اور اہل وفد نے امیر یزیدؒ پر فسق و فجور کا بہتان تراشا آپ نے اس کی پرزور تردید و تکذیب کی اور اپنی ذاتی واقفیت کی بناء پر یہ الفاظ فرمائے جو اس مضمون کی پہلی قسط میں بھی نقل ہو چکے ہیں :۔

| | |
|---|---|
| وقد حضرتہ واقمت عندہ فرأیتہ مواظباً علی الصلاۃ متحریاً للخیر یسأل عن الفقہ ملازماً للسنۃ۔ (ص ۲۳۳ ج ۸) | میں تو ان کے (امیر یزیدؒ کے) پاس گیا ہوں، ان کے پاس ہی مقیم رہا ہوں۔ میں نے تو دیکھا ہے کہ وہ نماز کی پابندی کرتے ہیں، نیک کاموں میں سرگرم رہتے ہیں، مسائل فقہ پر گفتگو کرتے ہیں اور سنت نبوی کی پیروی کرنے والے ہیں۔ |

مندرجہ بالا تصریحات کی روشنی میں ہر شخص دیکھ سکتا ہے کہ قاسمی صاحب کا اعتراض ترک عبارت کا کس درجہ فضول اور لایعنی ہے۔

## امیر المجاہدین

قاسمی صاحب کو یہ جسارت تو نہ ہو سکی کہ جہاد قسطنطنیہ میں امیر یزیدؒ کے امیر لشکر ہونے کا انکار کر سکتے۔ البتہ حضرت زید بن حارثہ رضی اللہ عنہ جیسے جلیل القدر صحابی، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے محبوب و معتمد خاص کا ذکر جس انداز سے کیا ہے

وہ ضرور محل نظر ہے۔ فرماتے ہیں:۔

"وہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے غزوۂ موتہ میں اپنے غلام زید بن حارثہؓ کو امیر لشکر مقرر فرمایا تھا اور ان کی ماتحتی میں حضرت جعفر طیار رضی اللہ عنہ جیسے بڑے بڑے صحابہؓ تھے۔

حضرت زیدؓ یوں کہنے کو غلام تھے مگر ہزار آزاد شخصوں سے برتر۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے متبنی تھے، زید بن محمدؐ کہلاتے تھے، آپؐ نے اپنی پھوپی زاد بہن کو ان کے نکاح میں دیا پھر جدائی ہوگئی جس کا ذکر قرآن شریف میں ہے اور انبیاء علیہم السلام کے اسماء کے سوا ان ہی کا نام ہے جو کلام پاک میں ہے سات مرتبہ جہات سریہ کی قیادت کا شرف ان کو حاصل ہوا سب سے پہلے اسلام لانے والوں میں ہیں۔"

ام المومنین حضرت خدیجہؓ، حضرت ابوبکر صدیقؓ اور حضرت زید بن حارثہؓ ہی تو سب سے پہلے اسلام لائے تھے، قاسمی صاحب کو امیر یزیدؒ کے اس امتیازی شرف سے کہ وہ مجاہدین کے لشکر کی کمان کر رہے تھے ایسی اذیت ہے کہ حضرت زید رضی اللہ عنہ کے قیادت غزوہ موتہ کے ذکر میں حضرت موصوف کا اسم گرامی احترام صحابیت کے ساتھ نہ لکھا، "غلام زید" اور "حضرت جعفر طیار رضی اللہ عنہ" لکھا اس طرز سے سبائیت زدہ ذہنیت کے لوگ ہی لکھا کرتے ہیں، لیکن مجاہدین کے شرف و فضیلت کو مٹا دینا نہ قاسمی صاحب کے بس کی بات ہے اور نہ کسی اور کے۔ کلام پاک اور احادیث رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم میں مجاہدین کی کیسی کچھ فضیلت آئی ہے اہل علم سے پوشیدہ نہیں۔

| | |
|---|---|
| إِنَّ اللَّهَ يُحِبُّ الَّذِينَ يُقَاتِلُونَ فِي سَبِيلِهِ صَفًّا كَأَنَّهُم بُنْيَانٌ مَّرْصُوصٌ (سورۂ صف) | اللہ تعالیٰ ان لوگوں کو محبوب رکھتا ہے جو اس کی راہ میں صف باندھ کر (اس جاؤ سے) لڑتے ہیں گویا وہ ایک دیوار ہے اینٹ سے اینٹ ملی ہوئی۔ |

پھر اسی سورت کی گیارھویں آیت ان مجاہدین کے بارے میں ہے جو دشمنان دین کے مقابلہ میں اپنی جانوں مالوں سے جہاد کرتے ہیں جیسا امیر یزیدؒ اور ان کے ساتھی کر رہے تھے اس میں فرمایا کہ یہ وہ عمل ہے جس کے کرنے کے بعد تمام گناہ بخش دئے جاتے ہیں، جنت کا اور ابدی نجات کا دروازہ کھل جاتا ہے يَغْفِرْ لَكُمْ ذُنُوبَكُمْ وَيُدْخِلْكُمْ جَنَّاتٍ تَجْرِي مِن تَحْتِهَا الْأَنْهَارُ وَمَسَاكِنَ طَيِّبَةً فِي جَنَّاتِ عَدْنٍ ذَٰلِكَ الْفَوْزُ الْعَظِيمُ ۔ کلام پاک کے علاوہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی احادیث سے جہاد



اور مجاہدین کی کیا کچھ فضیلت ثابت ہے۔ فرمایا گیا ہے:۔

| | |
|---|---|
| ما اغبرت قدما عبد في سبيل الله فتمسه النار۔ (بخاری) | ایسا نہیں ہو سکتا کہ جس بندے کے پاؤں جہاد کی راہ میں غبار آلود ہوئے ان کو جہنم کی آگ چھو سکے۔ |

اور فرمایا:۔

| | |
|---|---|
| حرمت النار على عين دمعت من خشية الله وحرمت النار على عين سهرت في سبيل الله۔ (رواہ احمد) | وہ جو آنکھ اللہ کے خوف سے اشکبار ہو یا جہاد میں جاگے اس پر نار دوزخ حرام ہے۔" |

جہاد قسطنطنیہ کے علاوہ اور متعدد جہادوں میں اس قریشی نوجوان، امیر یزیدؒ نے نہ صرف اپنے پاؤں غبار آلود کئے، راتوں کی نیندیں دشمنوں کے انتظار میں حرام کیں، بلکہ کارہائے نمایاں بھی انجام دئے خود دارالعلوم دیوبند کے جید عالم اور مقدس بزرگ حضرت مولانا حسین احمد مدنی علیہ الرحمۃ کے ایک مکتوب کے یہ فقرات اس کے شاہد ہیں۔ فرماتے ہیں:۔

"وہ یزید کو متعدد معارک جہاد میں بھیجے اور جزائر بحر ابیض اور بلاد ہائے ایشائے کوچک کے فتح کرنے حتی کہ خود استنبول (قسطنطنیہ) پر بڑی فوج کے ساتھ حملہ کرنے وغیرہ میں آزمایا جا چکا تھا۔ تاریخ شاہد ہے کہ معارک عظیمہ میں یزید نے کارہائے نمایاں انجام دئے تھے۔"

(مکتوبات ج ا)

مسلم و غیر مسلم مورخین کی تصریحات سے مولانا موصوف کے بیان کی تائید ہوتی ہے کہ متعدد معارک عظیمہ میں امیر یزیدؒ نے کارہائے نمایاں انجام دئے تھے۔ حضرت معاویہؓ نے ۱۶ مرتبہ جہادی مہمیں رومی عیسائیوں کے خلاف مختلف سنین میں اور مختلف سپہ سالاروں اور امرائے بحر کی قیادت میں بھیجی تھیں اور چار سال تک رومیوں کے مستقر کا محاصرہ جاری رہا تھا۔ بزنطینی شہنشاہیت THE BYSANTINE EMPIRE کے غیر مسلم مؤلف نے لکھا ہے کہ:۔

"وہ رومی شہنشاہ قسطنطین چہارم کے عہد سلطنت کا آغاز ہی تباہی کے ساتھ ہوا۔ خلیفہ معاویہؓ کی افواج اور بیڑہ جہازات نے افریقہ، سسلی اور ایشیائے کوچک پر بیک وقت حملے شروع کئے جو بطور پیش خیمہ کے تھے ۶۷۳ء میں خلیفہ موصوف نے ایک ایسی بری و بحری مہم کی تیاری کی جس کے مثل اس وقت تک عربوں کی جانب سے کوئی مہم معرکہ آرائی کی نہیں ہوئی تھی۔ یہ عظیم الشان بیڑہ جہازات

اور بحری افواج تھیں جو قسطنطنیہ کے محاصرے کے لئے شام سے روانہ ہوئیں اور یہ ایسی زبردست مہم تھی کہ اب تک مسلمانوں کی جانب سے نہیں ہوئی تھی، جنرل عبد الرحمنؓ کی معیت میں خلیفہ کے فرزند اور ولیعہد یزید بھی متعین تھے۔ اسلامی بیڑے جہازات نے رومی شاہی بیڑے کو شکست دے کر درہ دانیال میں اپنا راستہ نکال لیا اور شہر سائزیکس پر قبضہ کرکے اس کو اپنا فوجی کیمپ بنالیا اور باسفورس کی ناکہ بندی کردی۔ چار سال تک قسطنطنیہ کا محاصرہ جاری رہا۔ محصور فوج نے زبردست مقاومت کرکے اور کچھ نہیں تو روزِ بد کو کچھ عرصہ تک ٹالے رکھا۔ (ص ۶۱)

یہ بیان تو ۶۷۳ء کی مہم کے ذکر کا اب اس سے ایک سال پہلے امیر یزیدؒ کے جہاد قسطنطنیہ کی کیفیت ایک مسلم مورخ کی زبانی سنئے:۔

ان السنة التی حاصر فیها یزید بن معاویة القسطنطنیه کانت سنة ۵۱ للهجرة وافق ۶۷۲ مسیحیة وقد جاءها یزید براً وکان بُسر بن ارطاة ماسکاً البحر وقد انتشرت السفن الحربیة العربیة علی طول ساحل بحر مرمرة وهاجم العرب القسطنطنیة بین شهری ابریل وستمبر۔

جس سنہ میں یزید بن معاویہؓ نے قسطنطنیہ کا محاصرہ کیا وہ ۵۱ھ مطابق ۶۷۲ء تھا یزید بری راستہ سے پہنچے تھے اور بُسر بن ارطات سمندری راستہ طے کرکے عربوں کے حربی جہازات ساحل بحر مرمرہ پر پھیل گئے تھے، عربوں نے اپریل اور ستمبر کے مہینوں کے مابین قسطنطنیہ پر حملے جاری رکھے۔

(حاضر العالم اسلامی ص ۲۱۳)

امیر یزیدؒ کی قیادت لشکر اسلامی کے بارے میں شبہ کا اظہار دیوبند کے بعض اشخاص کی جانب سے کیا جاتا ہے، مگر جو بات مستند تاریخی روایات سے بالتواتر ثابت ہو اس کے بارے میں اپنی کسی سیاسی مصلحت سے شبہات وارد کرنا گھٹیا ذہنیت کا ثبوت ہے۔ مدارس اسلامیہ میں جو کتب موجود بلکہ متداول ہیں ان میں بھی کہیں نہ کہیں اس بات کا ثبوت مل ہی جاتا ہے۔ مثلاً الاستیعاب میں بذیل تذکرہ حضرت ابو ایوب انصاریؓ یہ فقرہ دیکھا جاسکتا ہے «وتوفی (ابو ایوبؓ) بالقسطنطنیہ من ارض الروم سنة

---

له اس غیر مسلم مورخ نے کسی غلط فہمی سے یہ بات لکھ دی ہے ۱۲



خمسین وقیل احدی وخمسین فی خلافة معاویة تحت امرة یزید» (الاستیعاب صفحہ حاشیہ الاصابہ ج ۱) خط کشیدہ الفاظ سے صاف ظاہر ہے کہ امیر یزیدؒ ہی امیر عسکر تھے۔ اسی تذکرہ میں یہ تصریح بھی ہے کہ جب حضرت معاویہؓ نے امیر یزیدؒ کو فوج کی قیادت سپرد کی: «فلما ولی معاویة یزید علی الجیش الی قسطنطنیه» تو غالباً کسی کے معترض ہونے پر حضرت ابو ایوب انصاریؓ نے فرمایا ہمیں اس سے کیا بحث کہ ہم پر ایک جوان العمر کو امیر مقرر کیا جاتا ہے۔ «وما علیّ ان امر علینا شاب»۔ اس سے بھی ثابت ہوتا ہے کہ اس وقت تک امیر یزیدؒ کی نااہلیت کا خیال تک کسی مخالف کے دماغ میں بھی نہ آیا تھا۔ اس جہاد کے لئے بڑے اہتمام سے تیاریاں کی گئی تھیں۔ حجاز کے مختلف قبائل قریش کے اکابرین کے پاس قاصد اور تحریریں بھیجی گئیں کہ وہ امیر یزیدؒ کے ساتھ اس جہاد میں شرکت کریں۔ چنانچہ کسی نے بھی شرکت جہاد و قیادتِ یزیدؒ سے اختلاف نہیں کیا۔ ولم یختلف عنه احد حتی کان فیمن خرج ابو ایوب الانصاری صاحب النبی صلی اللہ علیہ وسلم (العقد الفرید ج ۳ ص ۱۳۲)

امیر یزیدؒ کو اس جہاد اور دوسرے جہادوں میں جو امتیاز و شرف حاصل ہوا اور ملت نے فتی العرب (عرب کے سورما) کا خطاب دیا ان میں یہ سعادت سب سے بڑھ کر نصیب ہوئی کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے جو پیش گوئی حضرت ابو ایوب انصاریؓ کے جسم کی حراست و محافظت کی فرمائی تھی وہ کس خوبی کے ساتھ امیر یزیدؒ ہی کے جوشِ ایمانی کی بدولت پوری ہوئی۔ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم جب بعد ہجرت مدینہ تشریف لائے تو حضرت ابو ایوب انصاریؓ نے شب میں آپ کے استراحت فرماتے وقت پہرہ دیا تھا جس پر آپ نے فرمایا تھا «حرسك الله یا ابا ایوب کما بت تحرس نبیه» صاحب کتاب الروض الانف شرح السیرة النبویة لابن ہشام بجا طور سے لکھتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ نے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی اس دعا سے ابو ایوبؓ کے جسم کی رومیوں ہی سے حراست کرائی پھر انہوں نے اس سب واقعہ کا تذکرہ کرتے ہوئے کہ قیصر روم کے اس گستاخانہ کلام پر کہ تم لوگ جب یہاں سے چلے جاؤ گے ہم قبر کھود کر ان کی ہڈیاں پھینک دیں گے۔ امیر یزیدؒ کے یہ الفاظ نقل کئے ہیں، جس سے متاثر ہوکر حضرت موصوف کی قبر کا کھود ڈالنا تو کجا الٹی ان ہی رومیوں سے اس کی حفاظت و حراست کرائی گئی۔

فاقسم لهم یزید لئن فعلوا ذلك لنهدمن كل كنیسة بارض الروم ولننبش قبورهم فحینئذ احلفوا لهم

(امیر یزید نے قسم کھا کر ان (عیسائیوں) سے کہا کہ ایسی کوئی حرکت تم نے کی تو سرزمین عرب میں جتنے گرجا ہیں سب کو منہدم کر دیا جائے گا۔ اور

لدينهم ليكرمن قبره وليحرسنه ما استطاعوا

( ص۲۳۷ )

(عیسائیوں) کی قبروں کو اکھاڑ پھینکا جائے گا تب تو اس دھمکی کے نتیجہ میں ان کے دین کے مطابق حلف لے لیا کہ وہ ان کی قبر کا اکرام اور اس کی حفاظت و حراست کریں گے۔

ایسے پُرجوش مجاہد اور حرمت صحابہ کے جاں نثار پر سبائی راویوں کی خرافات سے متاثر ہو کر سب و شتم کرنا کیا سبائیت زدہ ذہنیت کا ثبوت نہیں۔ اسی دار العلوم دیوبند کے اکابر میں حضرت مولانا مدنی علیہ الرحمۃ نے محولہ بالا مکتوب میں فرمایا تھا کہ:۔

"خود یزید کے متعلق بھی تاریخی روایات مبالغہ اور آپس کے تخالف سے خالی نہیں"

امیر یزیدؒ کا زمانہ تو خیر القرون کا قرن اول تھا۔

بعث رسول الله صلى الله عليه وسلم في قرن وكان آخره موت يزيد بن معاوية (البداية والنهاية ص۲۲۹)

اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی بعثت اس قرن میں ہوئی جس کا آخر موت یزید بن معاویہؓ تھا۔

اور اس قرن ہی کے متعلق رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد مشہور ہے کہ میرے زمانے کے لوگ سب سے اچھے پھر اس کے جو اس سے ملا ہوا پھر اس کے جو اس سے ملا ہوا ہو۔

"خير القرون قرني ثم يلونهم ثم الذين يلونهم"

یہ زمانے صحابہ و تابعین و تبع تابعین کے زمانے تھے۔ قرن اول و ثانی میں خاص کر شجاعان اسلام نے اسلام دشمن قوتوں کا استیصال کیا تھا۔ حضرت شاہ ولی اللہ محدث دہلوی فرماتے ہیں:۔

پیغمبر مارا وعدہ فتح بلاد شام و بلاد عجم متحقق شد قال الله تعالى ليظهره على الدين كله و این وعدہ بنابر حکمت الٰہی در زمان آنحضرت بظہور نرسید لاجرم خلفاء راشدین آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم منصوب ساخت تا آں موعود منجز گردد

ازالۃ الخفاء ا ص۲۰

ممالک شام و عجم کے فتح ہونے کا وعدہ ہمارے پیغمبر صلی اللہ علیہ وسلم کے لئے متحقق ہوا اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ وہ تمام ادیان پر (اس دین کو) غلبہ دیں گے" اور یہ وعدہ حکمت الٰہی کی بناء پر آنحضرت کے زمانہ میں ظہور میں نہ آیا (پوری طرح) لہذا آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے بلاشبہ خلفاء کو مقرر و متعین کیا گیا تاکہ وہ وعدہ عملاً پورا ہو۔



خلفائے ثلاثہ رضوان اللہ علیہم کے مبارک زمانوں میں فتح بلاد شام و عجم کے وعدہ خداوندی کا جو عملی ظہور ہوا تاریخ سے ثابت ہے۔ خلیفۂ چہارم کے ایام اس سے خالی رہے، پھر حضرت معاویہؓ کے عہد میں اور اس کے بعد خلفائے بنی اُمیّہ کے زمانہ میں اس کا عملی ظہور ہوا۔

اقوام و ملل کے عروج و زوال کے رمز شناس جانتے ہیں جو قومیں اور ملتیں بام عروج کی جانب گامزن ہوتی ہیں ان کے افراد کو عظائم امور کے حصول کے لئے کوئی سد راہ نہیں ہوتی۔ امیر یزیدؒ کا زمانہ پہلی صدی ہجری کا وسطی زمانہ تھا اصاغر صحابہ اور ان کی اولاد نے دین و ملت کی سرفرازی کے لئے مہالک و خطرات کی پرواہ کئے بغیر جہادی سرگرمیوں میں اس جوش و ولولہ سے دنیا کو کھوند ڈالا تھا کہ ان کی زبان حال سے کہا جا سکتا تھا۔ ۔

دشت تو دشت ہیں دریا بھی نہ چھوڑے ہم نے
بحر ظلمات میں دوڑا دئے گھوڑے ہم نے

اس فضا میں یزیدؒ جیسے شجیع شہسوار دشمنان دین پر غلبہ حاصل کرنے کی مہمات کی شرکت سے کیسے باز رہ سکتے تھے۔ مہمات کی قیادت اکثر و بیشتر اموی و ثقفی جواں مردوں کے ہاتھ میں تھی جن کے زیر قیادت ہاشمی و قریشی اکابر بجوشی شرکت کرتے۔ ۳۰ھ میں بزمانہ خلافت عثمانی ایک اموی مجاہد حضرت سعید بن العاصؓ جب خراسان پر جہاد کیا حضرت عبداللہ بن عباسؓ اور حضرت عبداللہ بن عمرؓ کے علاوہ حضرت حسنؓ اور حسینؓ بھی ان کی فوج میں شامل تھے (طبری ج۵ ص۵۷)

اس سے تقریباً انیس برس بعد ۴۹ھ میں جیسا ذکر ہو چکا ان ہاشمی و قریشی اکابر نے ایک دوسرے اموی مجاہد امیر یزیدؒ کی سرکردگی میں شرکت جہاد کی اس وقت حضرت حسنؓ تو طویل علالت کے بعد فوت ہو چکے تھے، مگر حضرت حسینؓ و حضرت عبداللہ بن عباسؓ جیسے ہاشمی اکابر اموی قائد کے زیر قیادت برابر برابر شریک رہے۔ تاریخ کے ان ٹھوس واقعات کو نہ قاسمی صاحب کسی تاویل باطلہ سے جھٹلا سکتے ہیں اور نہ دار العلوم دیوبند کے کوئی اور بزرگوار۔

روایات کے مبالغات اور آپس کے تخالف کا جو اشارہ مولانا حسین احمد مدنی علیہ الرحمہ نے اپنے مکتوب میں کیا ہے، جتنا زمانہ گزرتا گیا ایک فرقہ نے اکاذیب کا وہ انبار در انبار اکٹھا کر کے پھیلا دیا جس کے زبوں اثرات عوام کے اذہان پر اس درجہ غالب آتے گئے کہ آج کا تو ذکر کیا اب سے چھ سو برس پہلے کا ایک واقعہ صاحب النجوم الزاهرة (ج ۳ ص۳۴۲) و صاحب مرآۃ الزمان (ج ۸ ص۴۴۳) نے مختصراً بیان کیا ہے کہ بغداد کے دار العلوم نظامیہ میں امام ابو الخیر احمد بن اسمٰعیل الشافعی سے جو مفسر و فقیہ اور عابد و زاہد

بزرگ تھے کسی نے دسویں محرم کو "یزید" پر لعن کرنے کو کہا آپ نے فرمایا ذاك امام مجاهد او مجتهد "وہ امام مجاہد یا مجتہد تھے"! سبائیت زدہ ذہنیت کے لوگوں کو اتنا سننے کی تاب کہاں تھی امام صاحب کو جان بچانی مشکل پڑ گئی۔ جب چھ سو برس پہلے یہ حال تھا تو آج کے دور انحطاط میں اس بحث کی بے لاگ تحقیق و ریسرچ پر قاسمی صاحب غیظ و غضب میں جامہ سے باہر ہو کر فضول اور لایعنی اعتراضات کی بھرمار شروع کر دیں یا دار العلوم سے پھر اس قسم کی آوازیں سنائی دینے لگیں جو لکھنؤ کے "امام باڑہ غفران مآب" کے کسی ذاکر کی زبان سے نکلتی ہیں تو کیا جائے تعجب۔

کاش یہ حضرات آپس کے تخالف یا اقتصادی مصلحتوں کی پرواہ کئے بغیر ٹھنڈے دل سے سوچیں کہ جس امام المجاہدین و امیر المومنین کی مغفرت حدیث نبوی سے ثابت ہو جس کے جوش ایمانی، غیرت ملی، حُبّ رسولؐ و صحابۂ رسول کی وجہ سے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی پیش گوئی عملاً ظہور پذیر ہو کہ "یدفن عند سور القسطنطنیہ رجل صالح" (العقد الفرید ج۳ ص۱۳۲) یعنی قسطنطنیہ کی فصیل کے پاس ایک مرد صالح دفن ہوگا پھر اسی مرد صالح کی تدفین اور اس کی قبر کی حراست جس مجاہد کے ہمت مردانہ و شجاعانہ حملے کے نتیجے میں دشمنوں ہی سے کرائی گئی ہو، اس پر اس طرح سب و شتم کرنا جس طرح قاسمی صاحب نے کیا ہے کیونکر جائز ہو سکتا ہے۔

---



# (۳)

## فضل یزیدؒ

کتاب "خلافت معاویہؓ و یزیدؒ" کے ص۱۵ و ص۱۶ پر امیر یزیدؒ کی سیرت کے سلسلے میں پہلے تو ائمہ اسلام و اساطین علم و فضل یعنی امام احمد بن حنبلؒ و امام غزالیؒ کے اقوال پیش کئے گئے تھے کہ اول الذکر نے امیر موصوف کو ان زہاد صحابہ و تابعین کے زمرہ میں شامل کیا ہے جن کے مواعظ سے ہدایت حاصل کی جاتی تھی، ساتھ ہی ان کا ایک قول مثلاً نقل بھی کیا ہے۔ امام غزالیؒ نے تو اس شخص کو پرلے درجہ کا احمق بتایا ہے جو یہ گمان کرتا ہو کہ یزیدؒ نے قتل حسینؓ کا حکم دیا تھا یا اس سے رضامندی کا اظہار کیا تھا حتیٰ کہ امام صاحب نے ان کے نام پر "رحمۃ اللہ علیہ" کہنے کو نہ صرف جائز بلکہ مستحب قرار دیا ہے، ان حضرات کے اقوال پیش کرنے کے بعد ہی حنبلی بزرگ شیخ عبد المغیثؒ کی تصنیف "فضل یزیدؒ" کا ذکر کرتے ہوئے بتایا گیا تھا کہ بنی امیہ اور امیر یزیدؒ کے مخالفانہ پروپگنڈے کی فضا میں یہ کتاب لکھی گئی تھی۔ چنانچہ بیان ہوا تھا کہ:۔

> "پانچویں صدی ہجری کا وہ زمانہ ہے جب بنی امیہ اور خاص کر امیر یزیدؒ کے مخالفانہ پروپگنڈے نے شدت اختیار کرلی تھی، کذب و افتراء سے طرح طرح کے بہتان تراشے گئے تھے۔ بعض علمائے امت احقاق کی خاطر انکشاف حقیقت پر کمربستہ ہوئے۔ منجملہ ان کے شیخ عبد المغیث بن زہیر الحربی تھے"۔

چنانچہ شیخ موصوف کی کتاب کے تعارف میں علامہ ابن کثیرؒ کے یہ الفاظ بھی نقل کئے گئے تھے۔

| | |
|---|---|
| وله مصنف فی فضل یزید بن معاویة اتی فیه بالغرائب والعجائب | اور ان کی (شیخ عبد المغیث کی) تصنیف (سے ایک کتاب) فضل یزید بن معاویہ پر ہے جس میں عجیب و غریب حالات بیان کئے گئے۔ |

ذکر محض اس واقعہ کا تھا کہ شیخ عبد المغیثؒ نے جن کو ابن کثیرؒ نے بتایا ہے کہ "وہ حنبلی صالحین میں مرجع عوام تھے"، اس فضا میں جس کا ذکر سطور بالا میں کیا گیا ہے "فضل یزیدؒ" پر کتاب تصنیف کی تھی لہٰذا مصنف اور کتاب کا ذکر کرتے ہوئے ابن کثیرؒ کی بیان کردہ یہ حکایت بھی انکے الفاظ میں مختصراً درج کر دی گئی تھی کہ جب اس کتاب کا چرچا ہوا تو خلیفہ الناصر بہ تبدیل ہیئت شیخ موصوف سے ملے اور پوچھا کہ یزید پر لعن کیا جائے؟ شیخ نے کہا کہ لعن جائز نہیں کیونکہ لعن کا دروازہ کھول دیا جائے

تو لوگ ہمارے زمانہ کے خلیفہ پر بھی لعن کرنے لگ جائیں گے کہ ان سے بھی منکرات سرزد ہوئے ہیں یہ حکایت لطور لطیفہ بیان ہوئی تھی۔ اس روایت کے خلاف جو روایت دوسری کتاب میں ہے۔ بنظر اختصار ترک کی گئی تھی اور ابن کثیرؒ کا یہ فقرہ بھی جو موقع و محل اور سیاق و سباق عبارت کے اعتبار سے غیر ضروری تھا حذف کیا گیا تھا جس ابن الجوزی نے شیخ کی کتاب کا رد لکھا تھا۔ اور وہ اچھا رد تھا؟ ابن الجوزی نے اپنی کتاب کا نام رکھا تھا "الرد علی المتعصب العنید المانع من ذم یزید" یعنی "اس ضدی متعصب کا رد جو یزید کی مذمت کا مانع ہے"! قاسمی صاحب کو یہی ضد ہے کہ "فضل یزید" کے ساتھ ساتھ "ذم یزید" کا تذکرہ کیوں ترک کیا گیا۔ بالفاظ دیگر وہ اس پر ناراض ہیں کہ یزید کو اچھا کہنے کے ساتھ اسے برا کیوں نہ کہا گیا، مدح کی گئی تھی، اور مدح کی کتاب کا ذکر کیا گیا تھا تو لعنت بھی کی جاتی اور لعنتی کتاب کا تذکرہ بھی ساتھ ہی ہوتا، چونکہ اس "حماقت" کا ارتکاب نہیں کیا گیا اس کو وہ جرم قرار دیتے ہوئے "حوالہ جات اور تراجم میں تصرف" کہنے اور "ابن کثیر کی عبارتوں کو توڑ مروڑ کر ان پر بہتان باندھنے" کا الزام عائد کرتے ہیں۔ مگر لطف تو یہ ہے کہ "یہ کارنامہ" بھی خود ان ہی کے قلم "فریب رقم" نے انجام دیا ہے۔ ابن کثیرؒ نے تو ابن الجوزی کا ایسا کوئی قول نقل نہیں کیا تھا جس میں یزید پر لعن کا جواز ہو۔ قاسمی صاحب نے ابن کثیر پر بہتان باندھتے ہوئے "اور جواز لعن" کا فقرہ دوسری کتاب سے بے موقع نقل کرتے ہوئے یہ بھی فرما دیا ہے کہ شیخ عبد المغیث اور ابن الجوزی دونوں حنبلی ہیں۔ یعنی ان کے زعم باطل میں حنبلیوں کے یہاں شخص معین پر لعن جائز ہے مگر یہ تو بہتان ہے، شیخ الحنابلہ امام احمد بن حنبلؒ پر جن کا مذہب و مسلک اس بارے میں بالکل واضح ہے وکلام احمد انما فیہ لعن الظالمین جملۃ لیس فیہ تصریح بجواز لعن یزید معینا (کتاب الذیل علی طبقات الحنابلۃ لابن رجب ۳۵۶ھ) امام صاحب نے تو اپنے رسالہ میں صاف صاف لکھا ہے کہ:-

"امام وقت اور خلیفہ قایم کی خواہ وہ فاسق و فاجر ہو یا نیکوکار اور پرہیزگار اطاعت واجب ہے اور جب مسند خلافت پر اس طرح متمکن ہوا کہ لوگ اس کی امامت پر جمع ہو گئے ہوں اور اس سے راضی ہوں، یا وہ بزور شمشیر خلیفہ بن بیٹھا ہو اور لوگ اسے امیر المومنین کہنے لگے ہوں کسی شخص کے لئے یہ جائز نہیں کہ وہ ان ائمہ اور خلفاء پر طعن کرے یا اس بارے میں منازعت کرے۔۔۔۔ جس نے امام المسلمین کے ساتھ خروج کیا۔ جس پر لوگ جمع ہو گئے ہوں اور جس کی خلافت ماننے لگے ہوں خواہ یہ اقرار بہ رضا و رغبت ہو یا بہ جبر و کراہ ـــــــ تو اس شخص نے سلمانوں کی قوت کو پارہ پارہ کر دیا اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے آثار کے خلاف کیا اور اگر اس خروج کی حالت میں اس کی موت واقع ہوئی تو یہ شخص جاہلیت کی موت مرا"
(المناقب لابن الجوزی بحوالہ حیات امام احمد بن حنبلؒ)



قاسمی صاحب کی اس کذب بیانی سے کہ حنابلہ کے یہاں لعن یزید کا جواز ہے، بات کہاں سے کہاں جا پہنچی۔ یزید بن معاویہؓ کے خلیفہ و امیر المومنین ہونے سے کسی کو بھی مجال انکار نہیں ہو سکتی۔ خود علامہ ابن کثیرؒ جن پر قاسمی صاحب بہتان باندھ رہے ہیں، امیر موصوف کے ترجمہ میں لکھتے ہیں:-

| | |
|---|---|
| ھو یزید بن معاویۃ ...... امیر المومنین ...... بویع لہ بالخلافۃ فی حیاۃ ابیہ ...... ثم اکد ذلک بعد موت ابیہ۔ | (وہ یزید بن معاویہ ...... امیر المومنین (تھے) اپنے والد کی حیات میں خلافت کی بیعت ان کے لئے لی گئی ...... پھر بعد وفات ان کے والد اس (بیعت) کی توکید کی گئی۔ |
| (البدایہ ج ۸ ص ۲۲۹) | |

لہٰذا امیر المومنین یزیدؒ کے خلاف جس کسی نے خروج کیا یا ان پر طعن کیا، امام احمد بن حنبلؒ کی مندرجہ بالا تصریحات کے اعتبار سے اس کے بارے میں قاسمی صاحب کیا کہتے ہیں ـــــ راقم الحروف نے تو واضح الفاظ میں لکھ دیا ہے کہ "حضرت حسینؓ کی طہارت طینت کی برکت تھی کہ آپ نے بالآخر اپنے موقف سے رجوع کر لیا" اسی بات کو بہ تغیر الفاظ مولانا ابو الکلام آزاد مرحوم نے جن کو قاسمی صاحب اور دوسرے دیوبندی ہم خیال "امام الہند" کہنے میں تامل نہ کرتے ہوں گے۔ یوں لکھا ہے کہ:-

"جب وہ حضرت حسینؓ کوفہ پہنچے تو یکایک نظر آیا کہ حالت بالکل بدل چکی ہے۔ تمام اہل کوفہ ابن زیاد کے ہاتھ پر بیعت کر چکے ہیں۔۔۔۔ یہ حال دیکھ وہ معاملہ خلافت سے دستبردار ہو گئے اور فیصلہ کر لیا کہ مدینہ واپس چلے جائیں" (ص ۸۴ مسئلہ خلافت)

بہرحال یہ تو جملہ معترضہ کے طور سے یہاں یوں زبان قلم پر آگیا ہے کہ حنبلیوں کا نام جواز لعن کے سلسلہ میں لیا گیا تھا۔ ذکر تھا شیخ عبد المغیث بن زہیر بن علوی الحربی کی کتاب اور ان کی شخصیت کا۔ سوان کے نام کے ساتھ صاحب کتاب الذیل علی طبقات الحنابلہ "المحدث الزاہد" کے الفاظ لکھ کر بتلاتے ہیں کہ وہ صالح تھے، متدین تھے، راست گفتار، امین، جمیل السیرت تھے، حمید الاخلاق تھے، اتباع سنت و آثار میں سرگرم تھے اور دیانت و امانت میں معروف" ان صفات کے بزرگ نے خلیفہ یزیدؒ پر لعن طعن سے منع کیا، کتاب لکھی، ابن الجوزی نے اس کا رد لکھا۔ ان کی کتاب کا نام ہی بتا دیتا ہے کہ کن خرافات کا مجموعہ ہو گی یعنی "ضدی، متعصب کا رد جو مذمت یزید کا مانع ہے"۔ ابن الجوزی کی ذہنیت کا اندازہ اس سے بھی ہوتا ہے کہ شیخ موصوف نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے حضرت ابوبکر الصدیقؓ کے پیچھے نماز ادا فرمانے کے ثبوت میں جو تصنیف کی تھی ابن الجوزی نے ان کا رد بھی لکھ مارا تھا، اور نام رکھا تھا "آفۃ اصحاب الحدیث الرد علی عبد المغیث" غرض ان دونوں بزرگواروں میں بحث و مباحثہ برابر قایم رہا حتیٰ کہ شیخ کی ۵۸۳ھ میں وفات ہو گئی "مات عبد المغیث وھما متہاجران" (ص ۳۵۶) اس زمانہ میں

امیر المومنین احمد الناصر لدین اللہ عباسیؒ خلیفہ تھے اور یہ ایسے خلیفہ تھے کہ خلفائے اسلام میں ان سے زیادہ یا ان کے برابر کسی کی بھی مدت خلافت نہیں رہی یعنی انچاس برس۔ وہ خود بھی بلند پایہ عالم تھے اور علم کے بڑے قدردان، مدرسہ نظامیہ بغداد میں دار الکتب تعمیر کرایا۔ دس ہزار کتابیں اپنے صرف سے چھپائیں (مراۃ الزمان ج ۸ ص ۴۳۲) مختلف شیوخ و محدثین سے اجازہ حاصل کیا۔ فن حدیث میں ان کی کتاب روح العارفین ہے۔ کان لہ اشتغال بالحدیث (اعلام زرکلی ج ۱)

شیخ عبد المغیث سے خلیفہ موصوف کی اچانک ملاقات کا حال صاحب کتاب الذیل علی طبقات الحنابلہ نے یحییٰ بن الصیرفی الفقیہ کی روایت سے لکھا ہے، وہ علامہ ابن کثیرؒ کی بیان کردہ روایت سے قطعاً مختلف ہے۔ یحییٰ کہتے ہیں خلیفہ موصوف کی ملاقات شیخ عبد المغیث سے اچانک امام احمد بن حنبلؒ کے مزار پر ہوگئی تھی۔ خلیفہ الناصر لدین اللہ کی ان سے یہ پہلی ملاقات تھی۔ شیخ سے پوچھا کیا آپ ہی وہ عبد المغیث ہیں جنہوں نے مناقب یزید پر کتاب لکھی ہے۔ شیخ نے جواب میں کہا کہ مناقب پر تو نہیں لکھی لیکن میرا مذہب و مسلک یہ ہے کہ وہ (یزید) خلیفۃ المسلمین تھے اگر ان پر فسق کا الزام بھی تھوپا جائے تب بھی ان کی بیعت توڑ ڈالنے کا جواز نہیں ہوگا۔ یہ جواب سن کر خلیفہ موصوف بہت خوش ہوئے اور کہا یہ احسنت یا حنبلی۔ خلیفہ موصوف خود بھی مسلکاً حنبلی تھے اور ان کے والد ماجد امیر المومنین المستضیٔ باللہ عباسیؒ جنہوں نے امام احمد بن حنبلؒ کے مزار کی درستی کرکے لوح نصب کرائی تھی۔ امام صاحب کے بڑے معتقد تھے، غیر الخلیفہ کے لئے "امام" کا لفظ استعمال نہیں کرتے تھے، مگر امام صاحب کے لئے کیا گیا (ص ۴۰۳)

ان تصریحات سے ابن کثیرؒ کی روایت پر جو روشنی پڑتی ہے اس سے بخوبی واضح ہے کہ قاسمی صاحب نے امیر المومنین یزیدؒ اموی اور امیر المومنین الناصر لدین اللہ عباسیؒ پر تبرائیوں کے لہجہ میں جو بہتان باندھا ہے کہ یہ یزید جن منکرات پر عمل کرتا تھا خلیفہ ناصر بھی ان ہی منکرات پر عمل کرتا تھا۔ وہ کس درجہ غلط اور سوقیانہ ہے اور یہیں سے یہ بات بھی بیّن طور سے ثابت ہوجاتی ہے کہ قاسمی صاحب نے "ولا اسوغ" کا ترجمہ کیسا غلط کیا ہے۔ صحیح ترجمہ اس موقع پر وہی ہے جو راقم الحروف نے کیا ہے۔ ساغ و سوغ الامر۔ جاز فعلہ و جورہ (المنجد ص ۳۸۵)

خیر یہ تو سات آٹھ صدی پہلے کی اور دوسرے اسلامی ملکوں کے علماء کی باتیں تھیں، اب قاسمی صاحب اور ان کے دیوبندی احباب یہ بھی سن لیں کہ انہیں کے موجودہ "اتر پردیش" میں الشیخ الفاضل نور الدین بن اسماعیل الحنفی الرمضوسی متوفی ۱۲۶۰ھ کی اسی بحث پر "خلیفۃ الرحمٰن" اور "الفاروق بین الحق والباطل" دو تالیفات ہیں۔ وہ اپنی کتاب "خلیفۃ الرحمٰن" میں یہ کہتے ہوئے کہ "ان یزید کان شاعراً، عالماً دبیراً



احسن الوجہ" لکھتے ہیں کہ ان کی پھوپی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی زوجہ تھیں۔ رسول اللہ صلعم کے قرابت داروں کا احترام واجب ہے "والصحبۃ سبب القرابۃ نسباً وحسباً جمیعاً" پھر کہتے ہیں کہ ان کی خلافت کی بیعت صحابہ نے کی تھی، صحابہ کا اتباع واجب ہے تو ان کا استخلاف بھی اسی طرح واجب ہے۔

| | |
|---|---|
| واذا عرفت ھذا فنسبۃ الفسق والکفر الی یزید بن معاویۃ حرام واستحلال کفر۔ | ان امور کے جان لینے کے بعد فسق اور کفر کی نسبت یزید بن معاویہ سے کرنا حرام ہے اور اس کا جائز رکھنا کفر ہے۔ |

جو بہتان شراب نوشی لگائے جاتے ہیں ان کے بارے میں کہتے ہیں:-

| | |
|---|---|
| فھذا کلہ بھتان عظیم لایجوز سمعہ | یہ سب کچھ بہتان عظیم ہے اس کا سننا بھی جائز نہیں۔ |

آخر میں کہتے ہیں:-

| | |
|---|---|
| یزید بن معاویۃ کان خیراً من جمیع الناس فی زماننا لانہ رای اصحاب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم فلا تخلوا الا بالخیر۔ | یزید بن معاویہ ہمارے زمانہ کے سب ہی لوگوں سے بہتر و برتر ہے۔ کیونکہ انہوں نے اصحاب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو دیکھا تھا، بلکہ ان کی صحبت سے مستفیض تھے، پس ان کا ذکر اچھائی کے ساتھ کرو۔ |

## کردار ابن سعدؓ

معلوم نہیں اکابرین دیوبند میں سے کسی نے یہ ان الشیخ الفاضل کی مصنفات کا درک لکھا تھا یا نہیں۔ خیر اس قصہ کو چھوڑتے اور یہ دیکھئے کہ عمر بن سعدؓ کے سلسلہ میں قاسمی صاحب نے کیسی شرمناک کذب بیانی کی ہے، فرماتے ہیں کہ:-

"جناب عباسی صاحب نے عمر بن سعد کے بارے میں تہذیب التہذیب کی حسب ذیل عبارت نقل کرکے یہ ثابت کرنے کی سعی کی ہے کہ عمر بن سعد کا کردار ویسا ہی بے داغ ثابت ہوتا ہے جیسا ان جیسے ثقہ و بلند پایہ تابعی کے حالات سے توقع کی جاتی ہے۔"

کتاب "خلافت معاویہؓ و یزیدؒ" کے تقریباً ۲۱ صفحات یعنی ص ۱۹۹ تا ص ۲۲۰ میں بدلائل و براہین قاطعہ سے اس بات کو ثابت کیا گیا ہے کہ صوبہ عراق کے امیر عسکر عمر بن سعدؓ کے کردار کے بارے میں سبائی راویوں نے جو انبار جھوٹی روایتوں کا کتابوں میں اکٹھا کیا ہے پرکاہ کے برابر بھی ان کی اصلیت و حقیقت نہیں حضرت حسینؓ سے ان کی قرابت قریبہ کا تفصیلاً ذکر کرنے کے بعد عرض کیا تھا کہ:-

"ان حالات کے پیش نظر حضرت حسینؓ یا ان کے کسی عزیز کے خلاف امیر عسکر عمر بن سعدؓ کی مدعوگی

ہی جابرانہ و متشددانہ فعل تو کیا کوئی سخت رعیہ بھی نہیں برتا جاسکتا تھا. ایسی صورت میں وضاعین کو اس شکل کا سامنا تھا کہ وحشیانہ مظالم اور معرکہ آرائیوں کی وضعی داستانوں کو کس طرز پر مرتب کریں اور کیا وجہ اور سبب ایک ایسے امیر عسکر کی موجودگی اور شمولیت کا بتائیں جس کے یہ حالات ہوں، جس کی یہ خاندانی اور آبائی وابستگی خاندان نبوت سے ہو، جس کے یہ تعلقات قرابت ہاشمی خاندان سے ہوں. جس کی کسی مخالفت خاندانی کا یا جس کے ذاتی کردار کی کمزوری کا کوئی ادنیٰ ثبوت بھی دستیاب نہ تھا. وضاعین نے چنانچہ یہ روایت وضع کرڈالی کہ عبیداللہ عارضی گورنر کوفہ نے ملک رے کی حکومت کا فرمان عمر بن سعد کے لئے لکھ دیا۔ پھر اس لغو اور جھوٹی روایت کی اور اسی طرح کے دوسرے اکاذیب کی قلعی کتب تاریخ وجغرافیہ کے حوالہ جات سے کھول دینے کے بعد لکھا گیا تھا کہ:۔

ولدیزی محقق دے خونے نے صحیح کہا ہے کہ جب اس حادثہ کے بیانات نے افسانہ کی سی نوعیت اختیار کرلی ابن سعدؓ کو بھی قاتل کہا جانے لگا، اسی غرض سے یہ چند احادیث پیش کئے گئے کہ ایک طرف تو یہ راوی بیان کرتے ہیں کہ "قتل حسین" پر ابن سعدؓ کو ایسا رنج وقلق ہوتا ہے کہ زار وقطار رونے لگتے ہیں، رخسار اور داڑھی آنسوؤں سے تر ہو جاتے ہیں، خواتین اور پس ماندگان کو عزت وحرمت سے سوار کرا کے بھیجتے ہیں. دوسری طرف یہی راوی وہ بھیانک تصویر ان کے وحشیانہ مظالم کی کھینچتے ہیں جن کے تصور سے بھی دل لرز جاتا ہے. مگر ان حقائق کو جب پیش نظر رکھا جائے جو بُعد مسافت (مکہ و کربلا) تعداد منازل و مراحل، روانگی سفر کی صحیح تاریخ کربلا کے محل وقوع وغیرہ کے بارے میں مستند کتب، جغرافیہ و بلدان وغیرہ کے حوالہ جات سے پیش کئے گئے ہیں تو یہ سب وضعی روایات، خرافاتی داستانیں اور مبالغات ہباءً منثورا ہو جاتے ہیں. اور عمر بن سعدؒ کا کردار ویسا ہی بے داغ ثابت ہوتا جیسا ان جیسے ثقہ وبلند پایہ تابعی کے حالات سے توقع کی جا سکتی ہے. طبقات ابن سعد میں بذیل "الطبقۃ الاولی من اھل المدینۃ من التابعین" کے زمرہ میں ان کا ذکر ہے اور شیخ الاسلام ابن حجر عسقلانی نے تہذیب التہذیب میں مندرجہ ذیل عبارت میں ان کا تذکرہ کرتے ہوئے بتایا ہے کہ کیسے کیسے لوگوں نے ان سے حدیث کی روایت کی ہے؟

خط کشیدہ فقرات کے بیک نظر دیکھنے ہی سے بین طور سے معلوم ہو جاتا ہے کہ جناب قاسمی صاحب نے صحافی دیانت کو کس شرمناک طریقہ سے مجروح کیا ہے. تہذیب التہذیب کی عبارت عمر بن سعدؓ کے کردار کو بے داغ



ثابت کرنے کے لئے نقل نہیں ہوئی. جیسا کہ جناب قاسمی صاحب نے صریحاً کذب بیانی کی ہے، بلکہ محض اس لئے نقل ہوئی ہے کہ وہ تابعی راوی حدیث ہیں اور کن کن حضرات نے ان سے روایت کی ہے اس سلسلہ میں یہ بھی لکھ دیا ہے کہ وہ عمر بن سعدؓ کو "قاتل حسین" سے جب متہم کیا جانے لگا. متاخرین میں سے بعض کو ان کی مروی احادیث لینے میں تامل ہوا؛ یہ کہہ کر متاخرین کے طرز عمل کی غلطی کو بھی واضح کیا گیا ہے اب آپ خود ہی غور فرمائیں کہ معترض کے اعتراض کی کیا حقیقت باقی رہ جاتی ہے۔

## امیر یزید کی ثقاہت

جناب قاسمی صاحب نے تہذیب التہذیب کے ایک اور حوالہ کی غلطی پر نکتہ چینی کرتے ہوئے بڑی تفصیل اور شد ومد کے ساتھ راقم الحروف کے یہ دھوکہ دینے کی سعی کو ثابت کرنا چاہا ہے، مگر ان کو اور دوسرے معترضین کو اصل حال معلوم ہو جانے کے بعد بشرطیکہ اعتراض ونکتہ چینی خلوص نیت سے کئے گئے ہوں، اپنے وار کے خالی جانے پر ندامت کا احساس نہ بھی ہو تو افسوس تو ضرور ہونا چاہئے ص۵؟ پر جو عبارت ان الفاظ سے شروع ہوئی:۔

"تہذیب التہذیب میں امام ابن حجر عسقلانی نے امیر موصوف کا ذکر رواۃ حدیث میں کرتے ہوئے محدث یحییٰ بن عبد الملک بن عتبہ الکوفی کا یہ قول نقل کیا ہے......"

اصل مسودہ میں عبارت حسب ذیل تھی. مگر کاتب کی غلطی سے یہ عبارت جو ایک صفحہ کتاب پر آتی اسی طرح ترک ہو گئی جو اس کتاب میں ص۳۲۵ پر باوجود اس حاشیہ کے درج ہو جانے کے کہ یہ نمبر یزید کا تفصیلی حال آئندہ صفحات پر ملاحظہ ہو" ترک ہو گئی تھی. سب کو معلوم ہے اور عرض مولف" میں اس کا ذکر بھی ہے کہ رسالہ تذکرہ کراچی کے بارہ شماروں میں جو مضامین راقم الحروف کے شائع ہوتے تھے ان کے مطالعہ پر عام خواہش کا اظہار خطوں میں کیا گیا کہ ان کو جلد کتابی صورت میں لایا جائے مطبوعہ اوراق میں ترمیم واضافے اس طرح کئے گئے کہ بعض عبارتیں حاشیہ پر چپاں کردی گئیں. کاپی نویسی کی کاپیاں دیکھنے کی زحمت بعض عزیزوں، دوستوں نے گوارا کی. ترک عبارت کا حال بعد میں کھلا جب تصحیح وطباعت کا موقع ہی نہ رہا تھا. وہ اصل عبارت یہ ہے[1]:۔

تہذیب التہذیب میں امام ابن حجر عسقلانی نے امیر موصوف کا ذکر رواۃ احادیث میں کرتے ہوئے محدث یحییٰ بن عبد الملک بن عتبہ الکوفی کا جن کو وہ "احد الثقات" یعنی ثقہ راویوں

---

[1] کتاب کے تیسرے ایڈیشن میں یہ عبارت جہاں ترک ہو گئی تھی درج ہو گئی ہے۔

میں شمار کرتے ہیں۔ یہ قول اپنے ہی طرح کے ایک ازدرہ ثقہ، راوی نوفل بن ابی عقرب کی سند سے نقل کیا ہے کہ اموی خلیفہ عمر بن عبد العزیزؒ نے محض اتنی سی بات پر کہ وہ کوئی شرعی جرم نہیں ایک شخص کے بیس کوڑے لگوائے تھے کہ امیر یزید کا ذکر اس نے "امیر المومنین" کہہ کر کیا تھا۔ مگر ان "ثقہ" راویوں کی روایت کا جو سب کے سب مجہول الحال ہیں اندازہ خلیفہ موصوف ہی کے عمل اور قول سے ہوجاتا ہے۔ جو ان ہی ابن حجر عسقلانی نے اپنی دوسری تالیف لسان المیزان میں نقل کیا ہے یعنی :-

وقال ابن شوذب سمعت ابراهيم بن ابی عبلة يقول سمعت عمر بن عبد العزيز يترحم على يزيد بن معاوية

( لسان المیزان ج ۶ ص ۲۹۴ )

اور ابن شوذب نے بیان کیا کہ میں نے ابراہیم بن ابی عبلہ سے یہ بات سنی ہے وہ کہتے تھے کہ میں نے (خلیفہ) عمر بن عبد العزیز کو یزید بن معاویہ پر رحمۃ اللہ علیہ کہتے سنا ہے۔

ابو عبد الرحمٰن عبد اللہ بن شوذب الخراسانی متوفی ۱۵۶ھ جو عام طور سے ابن شوذب کہلاتے تھے۔ بڑے پائے کے ثقہ راوی ہیں۔ بخاری میں ان سے روایت لی گئی ہے۔ ابن معین و نسائی و ابن حبان سب ہی نے ان کو ثقہ و صدوق بتایا ہے۔ برخلاف وضعی روایت کے راویوں یحییٰ بن عبد الملک و نوفل بن ابی عقرب کے جو مجہول الحال ہیں۔ امام ابن تیمیہؒ نے الصارم المسلول علی شاتم الرسول (۵۶۹) میں ابراہیم بن میسرہ کی یہ روایت نقل کی ہے کہ میں نے (خلیفہ) عمر بن عبد العزیزؒ کو کسی انسان کو مارتے پیٹتے نہیں دیکھا سوائے ایک شخص کے جس نے (حضرت) معاویہؓ کی بدگوئی کی تھی۔ اس کے خلیفہ موصوف نے کوڑے لگوائے تھے۔ بات کیا تھی، کذا بین نے کیا سے کیا بنا دی۔ تہذیب التہذیب میں ان ہی ابن حجر نے امیر موصوف کے فرزند عبد الرحمٰن کا ذکر رواۃ احادیث میں کرتے ہوئے محدث ابن حبان کا یہ قول نقل کیا ہے کہ وہ ان کو من الثقات یعنی ثقہ راویوں میں شمار کرتے ہیں۔ ابن حجر یہ بھی لکھتے ہیں کہ عبد الرحمٰن نے اپنے والد امیر یزیدؒ سے روایت حدیث کی ہے۔ بیٹا تو ثقہ اور باپ جس سے روایت لے وہ غیر ثقہ۔ این چہ بوالعجبی است!!

---



متاعِ دین و دانش لُٹ گئی اللہ والوں کی
یہ کس کافر ادا کا غمزۂ خوں ریز ہے ساقی

# یزید! جسے خدا نے بخشا مگر بندوں نے نہیں بخشا

( منقول از ماہنامہ تجلی دیوبند۔ جولائی ۱۹۶۰ء )

مہینوں سے متعدد حضرات ہمیں لکھے جا رہے ہیں کہ محمود احمد عباسی صاحب کی کتاب "خلافت معاویہ و یزید" کے رد میں جو کتابیں شائع ہوئی ہیں تم ان پر نقد کیوں نہیں کرتے جبکہ تم نے تائیدی تبصرہ کیا تھا۔ ہم جواب عرض کریں گے کہ تبصرہ بے شک کیا تھا اور ہمیں اس پر نہ شرمندگی ہے نہ بے اطمینانی۔ لیکن اول تو کتاب کے مصنف ماشاءاللہ حیات ہیں۔ معترضین کی جواب دہی ان ہی کے ذمہ ہے ہم سارے موضوعات کو چھوڑ کر اسی کے کیسے ہو رہیں۔ دوسری بڑی اور اہم معذوری یہ ہے کہ عباسی صاحب کی کتاب کی ضبطی کے حکم پر ہائیکورٹ میں اپیل دائر ہے۔ گویا قانونی زبان میں مقدمہ زیر سماعت ہے۔ وکلاء کا کہنا ہے کہ اس دوران میں کتاب کے موافق و مخالف کچھ بھی لکھنا توہین عدالت کے مرادف ہوگا۔ ہم نے اعتراض کیا کہ اور لوگ تو دھڑلے سے خلاف لکھے جا رہے ہیں۔ جواب ملا کہ وہ بھی ارتکاب جرم کر رہے ہیں، یہ الگ بات ہے کہ بعض اپنی خان بہادری کی وجہ سے اور بعض نظر انداز کئے جانے کے سبب اب تک بچے ہوئے ہیں کون جانے کب قانون ان سے باز پرس کرے۔ یہ جواب مدلل تھا، لہٰذا ہم نے قلم روک دیا اور اب بھی روکے رہیں گے جب تک عدالت فیصلہ صادر نہ کردے۔

تاہم آج اس کتاب سے ہٹ کر ایک تماشائے عبرت یہ دکھانا چاہتے ہیں کہ عباسی صاحب کا رد لکھنے کے جوش میں ہمارے ایک محترم بزرگ حضرت مولانا قاری محمد طیب صاحب مہتمم دار العلوم دیوبند علم و

معارف کی کن بے اندازہ بلندیوں پر پہنچ گئے ہیں، آپ کی ایک کتاب عباسی صاحب کی کتاب کے رد میں ابھی شائع ہوئی ہے، جس پر تفصیلی گفتگو تو ہم انشاء اللہ اگلی کسی صحبت میں کریں گے کیونکہ تجلی کا دامن ابھی بعض اور مباحث سے گرانبار ہو رہا ہے۔ فی الوقت اس کے ایک خاص جز پر لکھنے کا ارادہ کیا ہے۔ اس لئے کیلئے کہ دوران مطالعہ ہم اپنی بیتابی نہ دبا سکے اور بے اختیار جی چاہا کہ جو عبرت ہاتھ آئی ہے، نصیب ہو رہی ہے اس میں قارئین تجلی کو بھی شریک کرلیں۔

ویسے اس دوران میں دو کتابیں اور بھی سامنے آئی ہیں۔ جن میں سے ایک تو عام نگر کے ایک بزرگ کی ہے جو کافی سن رسیدہ ہونے کے باوجود جذبات کی دوڑ میں جوانوں کو بھی مات کرتے ہیں۔ انہوں نے عباسی صاحب کے ساتھ ہمیں بھی ناپا ہے۔ مزا یہ ہے کہ ان کا گز دیسی ہے عربی نہیں۔ اب ہم ان سے کیا کہیں کہ آپ کے جگر لخت لخت کے سارے ڈھیر کو ابن تیمیہ کی منہاج السنۃ کے صرف چند صفحے گرد کی طرح اڑا دے سکتے ہیں۔ کاش انہیں موقع ملے کہ کسی عربی داں سے منہاج السنۃ کے متعلقہ مباحث سبقاً سبقاً پڑھیں اور دل و دماغ کو خون کے غیر ضروری دباؤ سے بچا کر اعتدال و توازن کے ساتھ غور کریں۔

دوسری کتاب ایک علی بہادر خان صاحب کی ہے۔ اسے پڑھ کر ہمیں گمان ہوا کہ کسی شیعہ بزرگ نے تقیہ کی مسند پر بیٹھ کر صادر کر دی ہے۔ کوئی عیب نہیں جس سے امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کو متصف نہ کیا گیا ہو اور کوئی خوبی نہیں جو اس صحابی رسول کو چھو گئی ہو۔ امت کے سواد اعظم کا مسلک تو امیر معاویہؓ کے بارے میں یہ ہے نہیں لہٰذا سوائے شیعہ حضرات کے کس سے توقع ہو سکتی تھی کہ یہ آن بان دکھائے گا۔ یہ ضرور ہے کہ جگہ جگہ شیعی مسلک کا بھی خلاف نظر آتا ہے لیکن جب شیعہ بزرگوں کی دانست میں حضرت علیؓ تک تقیہ کر سکتے تھے تو دوسرا کون ہے جسے پیدائشی حق تقیہ نہ ہو اور تقیہ کی جھولی سے ہر کذب و منافقت کا جواز بلکہ استحسان نہ نکالا جائے۔

تحقیق کی تو معلوم ہوا کہ ہم نے غلط سمجھا تھا۔ مصنف شیعہ نہیں خیر سے سنی ہیں۔ تعجب پھر بھی نہیں ہوا، ہم جانتے ہیں کہ تشیع کسی نسلی و پیدائشی وصف کا نام نہیں یہ تو ذہن کے ایک خاص رجحان اور کیفیت کا نام ہے پہلے بھی کتنے ہی بزرگ ایسے ہو گزرے ہیں جو باوجود سنی ہونے کے ذہنی طور پر شیعہ یا نصف شیعہ ہی تھے۔ آج بھی بے شمار سنی ہیں جو پوری معصومیت کے ساتھ فکری اعتبار سے تشیع کے زندانی ہیں۔ بہادر صاحب نے اپنی دانست میں ممکن ہے کوئی کارنامہ انجام دیا ہو لیکن جو اہل علم ہیں وہ جانتے ہیں کہ حضرت امیر معاویہؓ کو جہنم پہنچانے کے یہ سارے حربے پرانے ہیں اور ابن تیمیہ کی ایک ہی کتاب منہاج السنۃ نے انہیں قیامت کے لئے کند کر کے رکھ دیا ہے۔ جنہیں منہاج السنۃ تک دسترس نہ وہ شاہ عبدالعزیز رحمۃ اللہ علیہ کی کتاب "تحفہ اثنا



عشریہ" دیکھ لیں یا مولانا عبدالشکور کے رسالہ جات ملاحظہ فرمالیں، آج جو شخص ان چباتے ہوئے لقموں کو نان گرم بنا کے پیش کرتا ہے وہ ادارہ دعوت (دہلی) اور دام نگری بزرگ اور کم علم عوام کو تو دھوکہ دے سکتا ہے پڑھے لکھوں کو مرعوب نہیں کر سکتا۔ فی الوقت ہماری بحث چونکہ شیعوں سے نہیں اس لئے اس کتاب سے تعارض نہیں کرتا۔ البتہ بہادر صاحب کی تحریر فرمودہ تمہید سے ایک دو نمونے اس کے پیش کئے دیتے ہیں کہ پوری کتاب میں روایتوں کے انبار لگانے والے یہ بزرگ فن حدیث سے کس حد تک مس رکھتے ہیں اور سواد اعظم کے مسلک سے ان کے زاویہ نظر کا فاصلہ کتنا ہے۔

ایک روایت کا ذکر کر کے لکھتے ہیں کہ: -

"مگر ہمارے نزدیک یہ روایت کسی حد تک مشتبہ ہے کیونکہ اس میں تواتر نہیں پایا جاتا" ص ۹

فن حدیث کا کوئی بھی جاننے والا ان الفاظ کو پڑھ کر ہنس دے گا۔ جو شخص فن حدیث کی اصطلاح "متواتر" کا مطلب سمجھتا ہو وہ کبھی ایسی بچکانی بات نہیں کہہ سکتا۔ جن احادیث کو ناقدین فن نے صحیح مان کر واجب القبول بتایا ہے ان میں سے بہت تھوڑی سی ہیں جنہیں یہ تواتر کا فنی درجہ حاصل ہو۔ یہ تو روایت کا آخری درجہ ہے اس سے نیچے کئی مدارج ہیں، ان سب مدارج میں حدیث صحیح کو غیر مشتبہ خیال کیا جاتا ہے۔ اگر تواتر ہی از الۂ شبہ کے لئے لازم ہو تو پھر تو بخاری و مسلم تک کی اکثر و بیشتر حدیثیں مشتبہ ہو کر رہ جاتی ہیں۔ حالانکہ فن حدیث میں "مشتبہ" کا لفظ "ظنی" کے معنی میں نہیں بولا جاتا بلکہ اس کا درجہ بہت گرا ہوا ہے اور جو شخص "تواتر" نہ پائے جانے کے سبب روایت کو مشتبہ کہے وہ اس شخص کی مانند ہے جو یوں کہہ رہا ہو کہ فلاں چیز سونا نہیں لہٰذا بے قیمت ہے! ___ حالانکہ تانبہ اور پیتل بھی ایک قیمت رکھتے ہیں[1]۔

جن حدیثوں میں آیا ہے کہ میرے صحابیوں کو برا مت کہو، ان کے حق میں زبان کو محتاط رکھو ان کے بارے میں بہادر صاحب کا ارشاد یہ ہے کہ: "ان کا اطلاق صرف بحیثیت مجموعی تمام جماعت صحابہ پر ہوتا ہے۔ نہ کہ افراد پر جہاں تک انفرادی حیثیت کا تعلق ہے بعض صحابہ سے کبیرہ گناہ بھی سرزد ہوتے تھے۔ انہوں نے ایک دوسرے کو قتل بھی کیا ہے اور ہر قسم کی غیر اسلامی حرکات ان سے سرزد ہوتی ہیں"۔

جزاک اللہ، آپ نے صرف حضرت معاویہؓ ہی کو نہیں جملہ صحابہ کو صلواتیں سنانے کا راستہ صاف کر دیا۔ رسول اللہ اگر سن پاتیں کہ میری نصیحت کو میرے بعض امتی کیا معنی پہنا رہے ہیں تو خدا ہی جانے کس قدر ملول ہوں۔ میرے محترم! صحابہ کو صلواتیں سنانے سے روکنے کا یہ منشاء نہیں تھا کہ ان سے خطا ہی نہیں ہو گی۔

---

[1] ہمارا مشورہ ہے یہ بہادر خان صاحب پہلی فرصت میں اصول حدیث کا مطالعہ فرمائیں۔

آپ اس سے بھی زیادہ سخت الفاظ میں جتنے یہاں استعمال کئے ہیں ان کی خطاؤں کا یقین دلائیں تب بھی رسول اللہؐ کی نصیحت معطل نہیں ہو جاتی۔ صحابہ سے کچھ بھی سرزد ہوا ہو اللہ تعالیٰ اس کا حساب کرلے گا ہم اگر ان کے بارے میں گفتگو پر آمادہ ہی ہوں تو احتیاط و ادب کی کچھ تو لاج رکھنی چاہئے۔ ان کے افعال سے گزر کر نیتوں پر یلغار کرنا بہادری نہیں سنگدلی ہے اور سعادت نہیں شقاوت ہے۔

بہادر صاحب نے اصحابی کالنجوم والی حدیث کو من گھڑت بتایا ہے۔ پناہ بخدا۔ جس نے علم حدیث پڑھا ہو وہ حیران رہ جائے گا کہ یہ آواز کیسی آئی کیوں آئی۔ کاش بہادر صاحب کو معلوم ہوتا کہ حدیث صحیح اور حدیث موضوع میں کتنا طویل فاصلہ ہے اور جب تک فنی دلائل سامنے نہ لائے جائیں کسی مقبول روایت کو من گھڑت کہہ دینا کیسی سخت جرأت ہے۔ ہم تو نہیں پوچھیں گے مگر ان کی کتاب پڑھنے والوں کو ضرور پوچھنا چاہئے کہ ناقدینِ حدیث میں سے کون ہے جس نے اس روایت کو من گھڑت کہا ہو۔ جو ہو اس کا نام لو اور نہ ہو تو خود ان دلائل کو واشگاف کرو جو اسے من گھڑت ثابت کرتے ہوں۔

یہ ہے نمونہ جناب بہادر صاحب کے تبحر علمی کا۔ امید نہیں کہ کوئی صاحبِ علم ان کی کتاب کو منہ لگائے گا۔ بنی یہ بات کہ سہ روزہ "دعوت" (دہلی) نے یا بعض اور لوگوں نے اس کی توصیف کردی ہے تو جس کا جی چاہے تحقیق کرلے یہ بھولے توصیف نگار وہی لوگ نکلیں گے جن کے متعلق شاعر نے کہا ہے

زبانِ یارِ من ترکی و من ترکی نمی دانم !

زیر بحث مسائل کے تمام مصادر و مآخذ عربی زبان میں ہیں۔ پھر روایات کی جانچ پرکھ کا فن بھی عربی جانے بغیر نہیں آسکتا۔ ان توصیف نگار حضرات نے رواشتہ جو تصورات و عقائد اس باب میں پالے ہیں وہی ان کا کل سرمایہ ہیں۔ بعد میں منتشر مطالعہ کے ذریعہ جو معلومات انہوں نے حاصل کی ہوں گی ان کا تاثر اس کے سوا کیا ہو سکتا ہے کہ تشیع کا جو زہر داعی روایات سلم کے شاعروں نے ملت کے حلق میں اتار دیا ہے۔ اسی کو وہ بھی امرت کہیں اور ماحول کے سُر سے سُر ملاتے رہیں۔ اس طرح کے لوگ اگر کسی عباسی یا عثمانی کی تردید میں ہزار صفحات کی کتاب بھی پیش کر رہے ہیں تو اس کی حیثیت اس ایک صفحے کے برابر بھی نہیں جو ابن تیمیہ جیسے بے مثال مفکرین و محققین نے اصل مآخذ و مصادر کو چھان پھٹک کر پیش کیا ہے۔ بنیادی بات یہ ہے کہ کسی شخص کی دلیل خواہش کی پیدا کردہ ہے اور کسی کی خواہش دلیل کی نمائندہ۔ جن لوگوں کے حلق میں ہوش سنبھالتے ہی واقعات کربلا اور معاویہ و یزید کے بارے میں مشہور و مقبول تصورات کا زہر اتر چکا ہو اور بلا تحقیق وہ رائے قائم کر چکے ہوں انہیں اگر کبھی اس رائے کے خلاف آواز سننے کا موقع ملا تو ان کے جذبات کو ٹھیس لگی تو اس کے سوا کیا ہوگا کہ وہ جلدی جلدی کتابوں کو الٹیں اور اس طرح کے کٹنگ جمع کرتے چلے جائیں جو ان کی سا-



اور جذبات سے ہم آہنگ ہوں۔ اسی کا نام ہے خواہش کی کوکھ سے دلیل کا جنم لینا۔ لیکن کچھ اللہ کے بندے ایسے بھی ہوتے ہیں جو بہ بازماندہ تمیز "کی اسپرٹ سے مسائل کے سرچشموں اور مرکزوں تک پہنچتے ہیں اور اپنے فیصلہ و خواہش کو دلیل کے تابع بناتے ہیں۔ پھر جو کچھ دلیل کہتی ہے اسی کو لومت لائم کا خوف کئے بغیر برملا بیان کر اٹھتے ہیں۔ یہی ہیں جن کی دلیل دلیل اور بات بات ہے۔ یہی ہیں جن کی شاگردی میں امن اور ہیری فلاح ہے۔ یہ بہت کم ہوتے ہیں مگر ہوتے ہیں اور اہل اخلاص کے لئے مشعل کا کام دیتے ہیں۔

خیر ذکر مہتمم صاحب کی کتاب کے ایک جز کا تھا۔ معاملہ یہ ہے کہ قرآن کے بعد سب سے سچی کتاب بخاری میں ایک صریح و محکم روایت آئی ہے جس میں مخبر صادق جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ان مجاہدین کے لئے مغفرت کی بشارت دی ہے جنہوں نے پہلی بار قسطنطنیہ پر حملہ کیا اور تاریخ قطعی طور پر بتاتی ہے کہ یزید نہ صرف ان مجاہدین میں شامل تھا بلکہ ان کا سپہ سالار تھا چنانچہ جملہ معتبر شارحین بخاری اسے تسلیم کرتے ہیں اس حدیث سے متعلق لکھا ہوا ہمارا اکتوبر ۱۹۵۸ء کا اداریہ اور اسی سے متعلق کچھ اور مواد اسی شمارے میں کسی جگہ ملاحظہ فرمالیں۔

عباسی صاحب نے بھی اپنی کتاب میں اس حدیث کا ذکر کیا تھا تو حضرت مہتمم صاحب نے جس طرح اس کا جواب دیا ہے وہ خاصے کی چیز ہے۔ غور سے پڑھئے اور سوچئے کہ قادیانی علم کلام اور حضرت موصوف کی منطق میں کیا فرق ہے۔ یہ بھی سوچئے کہ کیا ہم حامیانِ حدیث کی ایسی ہی سخن سنجیاں تو نہیں جو فتنۂ انکارِ حدیث کا ایک قومی محرک بن گئی ہوں۔

دراصل آدمی جب تضادات پالتا ہے تو بڑی مشکل میں پھنس جاتا ہے۔ تضاد اس سے بڑھ کر کیا ہوگا کہ ایک طرف تو مہتمم صاحب اُس بخاری کو معتبر مانتے ہیں جس میں اللہ کے رسول نے مغفرت یزید کی خبر دی ہے اور دوسری طرف ان روایات کو بھی سینے سے لگائے ہوتے ہیں جو خبر رسول کی تکذیب و تردید کرنے والی ہیں اس اجتماع ضدین کا معنوی خلل عام حالات میں منکشف نہ ہوتا لیکن اس وقت منکشف ہوکر ہی رہا جب انہیں یزید کو واصل جہنم کرنے کے لئے بشارت رسول سے دامن چھڑانے کی ضرورت پڑی۔ ظاہر ہے وہ بڑی مشکل میں تھے۔ بخاری کو جھٹلائیں تو امت بچارہ چھوڑے اور جھٹلائیں نہیں تو منقبت یزید کا قول کیا مینار جوں کا توں قائم رہے۔ عجیب مشکل آئی۔ مگر نہیں۔ سب جانتے ہیں کہ وہ ڈنکے کی چوٹ حکیم الاسلام ہیں اور ناممکن ہے کہ حکیم دانا کی حکمت بلیغہ کسی مرحلے میں مات کھا جائے۔ انہوں نے شارحین حدیث کا جائزہ لیا کہ دیکھیں وہ کس طرح اس مرحلۂ سخت سے گزرے ہیں۔ ان سے کمک حاصل کرکے جواب کا خمیر اٹھایا اور پھر اپنے قلم گوہر رقم سے اس کا ایک ایسا لفظی پتلا بنا کر پیش کر دیا جسے ان کی صلاحیتِ تخلیق کا ایک اچھوتا

نمونہ کہا جاسکتا ہے۔

ہم قدرے لمبے اقتباسات پیش کرتے ہیں تاکہ کوئی یہ نہ سمجھے کہ کسی فقرے کو اس کی جگہ سے اکھیڑ کر پیش کر دیا ہے۔ اس کے بعد انہی سے مخاطب ہو کر کچھ عرض کریں گے۔ فرماتے ہیں:۔

"دعباسی صاحب نے بہت بلند بانگ ہو کر غزوۂ قسطنطنیہ میں یزید کی شرکت بلکہ قیادت اور اس غزوہ کے شرکاء کے لئے نصِ حدیث کے مطابق بشارت مغفرت میں اسے شامل کر کے اس کی فضیلت اور مقبولیت عنداللہ پر کافی زور لگایا ہے اور اس حدیث کے تحت مہلب کے استدلال کو نقل کیا ہے جو یزید کی فضیلت بلکہ خلافت کے اثبات کے لئے کیا گیا ہے۔

ہمیں نہ اس حدیث سے انکار ہے اور نہ اس سے کہ یزید اس کے عموم میں داخل ہے۔ اگر وہ اس غزوہ میں شامل تھا، لیکن ساتھ ہی اس سے بھی انکار نہیں کیا جاسکتا کہ جیسے اس حدیث کا عموم اسے مقبولین میں داخل کر رہا ہے ویسے ہی بخاری وغیرہ کی دوسری احادیث کا عموم اسے اس مقبولیت سے خارج بھی کر رہا ہے جو ہم نے ابھی پیش کی ہیں جن میں خبر دی گئی ہے کہ میری امت کی ہلاکت چند قریشی لڑکوں کے ہاتھوں پر ہوگی۔ امارت صبیان قائم ہوگی جو امت کے برگزیدہ لوگوں کے جان و مال اور آبرو کو تلف کرے گی اور یہ کہ یہ ۶۰ھ کا دور ہوگا جس میں یزید کی امارت قائم ہوئی اور اس کے افعال سے علماء نے متعین کر دیا کہ حدیث کی اس عمومی خبر کا مصداق یزید ہے۔ پس عباسی کی پیش کردہ روایت کے عموم نے اگر یزید کو وعدۂ مغفرت میں شامل کیا تھا تو ہماری پیش کردہ روایات کے عموم نے اسے اس وعدہ سے خارج کر کے وعید میں شامل کر دیا۔ اور حدیث کے عموم نے حدیث کے عموم کی تخصیص کر دی۔ وہاں اگر مہلب نے یزید کو شخص کر کے اسے حدیث بشارت کا مصداق ٹھہرایا اور اس کی فضیلت پر استدلال کیا تو یہاں احادیث بخاری وغیرہ سے ابن حجر اور علامہ بدرالدین عینی شارح بخاری نے یزید کو مشخص کر کے فسق پر استدلال کیا ہے، وہاں صرف حدیث کا عموم اور اس سے استدلال ہے، یہاں حدیثوں کے عموم کے ساتھ صحابہ کے اقوال اور تاریخی واقعات بھی ہیں جو یزید کی تعیین اور تشخیص کے مؤیدات ہیں۔" (صفحہ ۱۵۵ وصفحہ ۱۵۶)

اقتباس کو غور سے ٹھہر ٹھہر کر پڑھئے۔ معلوم ہونا چاہئے کہ غزوۂ قسطنطنیہ میں یزید کی جو شرکت اس حد تک ناقابلِ تردید کہ خود مہتمم صاحب بھی اسے تسلیم کرنے پر مجبور ہیں لیکن اسے بھی وہ حرف شرط کے ساتھ بیان فرما رہے ہیں کہ:۔



" اگر وہ اس غزوے میں شامل تھا "

کیا اس سے صاف ظاہر نہیں ہوتا کہ وہ ایک طرف رسول اللہ کی اس پیشین گوئی سے خفا ہیں جو بخاری میں محفوظ ہو گئی ہے اور دوسری طرف اللہ کی اس تقدیر سے دلبرداشتہ ہیں کہ کیوں یزید کو اس غزوے میں شرکت کا موقع ملا۔ آفت یہ ہے کہ اس غزوے میں یزید کی شرکت ایسی اٹل تاریخی حقیقت ہے کہ اس کی تکذیب خاص قسم کے دیدہ دلیروں کے سوا کوئی نہیں کر سکتا۔ مہتمم صاحب بھی تکذیب نہیں فرما رہے ہیں مگر جملہ شرطیہ لکھ کر یہ تاثر عوام کو دینا چاہتے ہیں کہ یزید کی شرکت تاریخی حیثیت سے ایسی مسلم نہیں کہ اگر مگر کی گنجائش ہی نہ ہو۔ ایسا خلاف واقعہ تاثر دینے کو ممکن ہے کٹر قسم کے کج بد دیانتی اور فریب دہی قرار دیں لیکن ہم نیاز مندوں کو کہاں جرأت ہو سکتی ہے کہ حکمتِ بلیغہ و لطیفہ کے سوا اسے کچھ بھی کہہ سکیں۔

بنیادی سوال یہ ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی پیشین گوئیاں کیا حیثیت رکھتی ہیں؟ کیا وہ نجومیوں اور قیافہ شناسوں کی پیشین گوئیوں کے مماثل ہیں کہ زیادہ تر درست ثابت ہوں تو کبھی غلط بھی ہو جائیں۔ کیا انہیں مرزا غلام احمد قادیانی کی پیشین گوئیوں جیسا سمجھا جائے اور تاویل کی بھی گنجائش نہ نکلے تو کہہ دیا جائے کہ فلاں پیشین گوئی دراصل فلاں شرط پر منحصر تھی وہی شرط معدوم رہی تو پیشین گوئی بھی معلق رہ گئی حالانکہ خود مرزا صاحب نے پیشین گوئی کرتے وقت ایسی کوئی شرط نہ لگائی ہو۔

ہم ہزار بار پناہ مانگتے ہیں ان لوگوں سے جو ایسا تصور کریں یا تصور نہ کریں مگر ایسی باتیں کہیں جن کا لازمی ثمرہ یہی نکلتا ہو۔ ہمارا تو ایمان ہے کہ اللہ کے رسول نے کوئی پیشین گوئی اٹکل پچو نہیں کی۔ کوئی فیصلہ کن خبر بلا وحی آسمانی نہیں دی۔ آئندہ کے لئے جو بھی صریح و محکم خبر آپ کی زبان صداقت نظام سے نکلی وہ اللہ کے دئے ہوئے علم یقینی کی روشنی میں نکلی اور پہاڑ ٹل سکتا ہے مگر حضور کی دی ہوئی صریح و محکم خبر نہیں ٹل سکتی۔

حضرت محترم! یہی ایمان آپ کا بھی ہوگا۔ اور ان اسلاف کا بھی ہوگا جنہوں نے بخاری والی پیشین گوئی کو نہ جانے کس کس وقت کی روایات سے محدود و مقید کرنا چاہا ہے۔ لیکن اس تحدید و تقیید کا منطقی نتیجہ اس کے سوا کیا ہے کہ پیشین گوئی نعوذ باللہ برباد ہو کر رہ جائے اور جو بات آپ یزید کے بارے میں کہہ رہے ہیں وہی بات شیعہ حضرات بھی کہیں۔ اور کہتے ہیں کہ اگر یہ مان بھی لیا جائے کہ خلفائے ثلاثہ مبشر بالجنۃ ہیں تو یہ بشارت یقیناً اس پر منحصر ہوگی کہ ان سے بعد میں لائق وعید حرکات سرزد نہ ہوں۔ بعد میں انہوں نے اہل بیت کا حق چھینا، دنیا میں پھنسے اور نہایت مجرمانہ حرکات کیں اس لئے بشارت کالعدم ہو گئی۔

ہم نے اسی دارالعلوم کی چٹائی پر بیٹھ کر جس کے مہتمم آج آپ ہیں یہ پڑھا تھا کہ جن صحابہ کو عشرہ مبشرہ کہا جاتا

ہے کہ ان کی مغفرت تو یقینی ہے کیونکہ اللہ کے رسول مغفرت کی بشارت یونہی نہیں دے دیا کرتے بلکہ اللہ کے عطا فرمودہ علم صحیح و قطعیہ کی روشنی میں دیتے ہیں جو غلط ہو ہی نہیں سکتا۔ اگر کسی مبشر بالجنۃ سے کچھ افعال ایسے بھی سرزد ہو جائیں جو بظاہر معصیت معلوم دیں تو دو صورتوں میں سے ایک صورت منزمہ ہوگی۔ یا تو یہ ظاہری حالت محض مغالطہ ہوگی اور حقیقتاً یہ افعال معصیت نہ ہوں گے۔ یا بصورت معصیت ہونے کے باوجود ان برائیوں میں شامل ہوں گے، جن کے بارے میں اللہ نے فرمایا ہے کہ اِنَّ الْحَسَنٰتِ یُذْھِبْنَ السَّیِّئٰتِ (نیک بھلائیاں برائیوں کو میٹ دیتی ہیں) اس طرح بشارت مغفرت اٹل رہے گی اور اللہ کے سچے نبی کا فرمودہ غلط نہ ہو سکے گا۔

عقلی و منطقی اعتبار سے بھی صاف سی بات ہے کہ اللہ کے علم میں تو سبھی کچھ ہے کہ فلاں شخص یا گروہ زندگی بھر کیا کیا کرے گا۔ اگر وہ اپنے نبی کو کسی بھی طرز کی وحی کے ذریعہ خبر دیتا ہے کہ فلاں شخص یا گروہ مغفور ہے تو ناممکن ہے کہ وہ مغفور نہ ہو۔ اگر اس سے بھی بعض بدنما افعال کا صدور ہوتا ہے تو وہی دو توجیہیں کی گنجائش جو ابھی عرض کیں۔ یہ ہرگز نہیں ہو سکتا کہ اس سے کسی ایسے فعل کا ارتکاب ہو جائے جو اللہ کے حضور ناقابل معافی ہو اور مغفرت کی بشارت استحکام کی بھٹی میں خاک ہو کر رہ جائے۔ اللہ بے خبر نہیں تھا کہ فلاں شخص یا گروہ زندگی بھر کیا کیا کرے گا۔ اگر وہ ایسی ہی حرکات کرنے والا ہوتا کہ جہنم جائے بغیر باز نہ آتا تو اللہ تعالیٰ بشارت مغفرت ہی نہ دیتے۔ وحی تو ثابت ہوا کہ اس کی حرکات لائق عفو ہیں۔

اس معارضے کا جواب بھی آپ نے اگلی سطروں میں دینے کی سعی کی ہے، مگر اسے ہم ایک فاحش قسم کا مغالطہ تصور کرتے ہیں۔

آپ نے فرمایا:۔

"دوسرے یہ کہ یہ حدیث عام ہے اور بلاشبہ اس کا وعدۂ مغفرت بھی جہاد قسطنطنیہ کے ہر شریک کے لئے عام ہے جن میں یزید بھی داخل ہے مگر انہی قدرتی شرائط کے ساتھ جو طبعاً ایسے مواقع پر قواعد شرعیہ کے تحت ملحوظ ہوتی ہیں مثلاً حدیث نبوی میں ارشاد ہے اُمتی امۃ مرحومۃ میری امت امت مرحومہ ہے (جس کے تمام افراد کے لئے جو قیامت تک آنے والے ہیں رحمت اور مغفرت موجود ہے) مگر اسی شرط کے ساتھ کہ وہ امت اجابت میں شامل رہیں۔ اگر معاذ اللہ کوئی مرتد ہو کر امت دعوت میں جا ملے تو دوسری نصوص سے اس حدیث کی تخصیص ہو جائے گی اور وہ فرد اس وعدہ سے خارج ہو جائے گا۔ اس لئے اس حدیث کا یہ وعدہ قدرتی طور پر بشرط بقاء اجابت ہوگا مطلقاً نہ ہوگا اسی طرح یہاں بھی جہاد قسطنطنیہ



کے سب شرکاء کے لئے وعدۂ مغفرت عام ہے، مگر اسی طبعی شرط کے ساتھ کہ یہ لوگ اپنی قلبی کیفیات و احوال اور باطنی نیات و جذبات پر باقی رہیں جن کے ساتھ انہوں نے اس وقت جہاد کیا تھا، لیکن بعد میں اگر کسی کے قلبی احوال بگڑ جائیں اور تقویٰ کے وہ مقامات باقی نہ رہیں جو بوقت جہاد تھے تو طبعاً وہ حکم مغفرت بھی اس خاص فرد کے حق میں باقی نہ رہے گا۔ مثال کے طور پر مسلم و بخاری ہی کی ایک روایت کو لے لیجئے کہ آدمی اہل جنت کا عمل کرتے کرتے جنت سے اتنا قریب ہو جاتا ہے کہ اس میں اور جنت میں بالشت بھر کا فصل رہ جاتا ہے مگر نوشتۂ تقدیر سامنے آ جاتا ہے اور وہ جہنم میں چلا جاتا ہے اور ایسے ہی برعکس ظاہر ہے کہ جنت و نار کی انجام کار تبدیلی اعمال کی تبدیلی ہی پر دائر ہے، اندریں صورت اس شخص کی نیکی کرتے رہنے کے دور میں ہر شخص اسے یہی کہے گا کہ فلاں آدمی تو جنتی ہے۔ لیکن غور کیا جائے تو جنتی درحقیقت اس آدمی کو نہیں کہا جاتا بلکہ اس کے احوال و اعمال کو کہا جاتا ہے وہ جب بھی بدل کر جہنمی ہو جائیں گے جب ہی پہلا حکم بدل جائے گا۔

"ٹھیک اسی طرح جہاد قسطنطنیہ والی حدیث بشارت مغفرت کے عموم میں یزید بھی شامل تھا۔ جس کے معنی یہ تھے کہ اس کے اس وقت کے احوال و اعمال مقبول یا مغفور تھے۔ الیہ یصعد الکلم الطیب والعمل الصالح یرفعہ۔ جب وہ بدلے تو طبعاً وہ بشارت بھی اس کے حق میں باقی نہ رہی۔ اب اگر بدلے ہوئے حالات میں بھی کوئی پہلے ہی حکم کی رٹ لگائے جائے تو یہ شریعت کے اصول و قوانین کا معارضہ ہے، پس جب یزید کا اچھا حال تھا بشارت قائم تھی جب بدل گیا تو بشارت بھی اٹھ گئی۔"

(صفحہ ۱۵۶ و صفحہ ۱۵۷)

یہ آپ کے فرمودات ایسے بے اساس مطالب پر مشتمل ہیں کہ حیرت ہوتی ہے۔ آنجناب خوب جانتے ہیں کہ قرآن و حدیث کی بشارتیں دو طرح کی ہیں۔ ایک تو یہ کہ بعض اعمال و افعال کے بارے میں اللہ اور اس کے رسول خبر دیتے ہیں کہ جس نے فلاں عمل کیا وہ جنت میں گیا اور فلاں عمل کیا تو جہنم میں گیا۔ قرآن و حدیث میں اس کی مثالیں اتنی کثرت سے ہیں کہ یہاں نقل کی ضرورت نہیں۔ یہ بشارتیں کسی ایسے فعل و عمل کے لئے نہیں ہوتیں جو کسی خاص وقت اور زمانے میں محدود ہو بلکہ ان کی حیثیت دائمی ہوتی ہے اور حشر تک ان کا دائرہ وسیع ہے۔ مثلاً اپنے مسلمان بھائی کو اچانک غیر متوقع مسرت بہم پہنچانا یا ہمسائے کی مدد کرنا یا مقروض کی گردن چھڑانا وغیرہ ایسے اعمال ہیں جن پر قرآن و حدیث میں جنت کی بشارتیں دی گئی ہیں اور ظالم کا ساتھ دینا، یتیموں کا مال کھا جانا، ہمسائے کو ستانا وغیرہ ایسی حرکات ہیں جن پر جہنم کی وعیدیں آئی ہیں۔ ظاہر ہے یہ اعمال کی حرکات کسی خاص زمانے تک محدود نہیں بلکہ قیامت تک کے لئے ہیں۔ ان سے متعلق

بشارتوں اور وعیدوں میں کسی خاص فرد یا گروہ کا بھی ذکر نہیں ہے بلکہ ہر مسلمان ہر زمانے میں ان کا مصداق و مورد ہے، ان کے بارے میں بیشک علمائے معتبر کا یہ انداز نظر ہے اور ہونا چاہئے کہ ان کا منشاء صرف ترغیب و تنذیر ہے۔ صرف نمایاں کرتا ہے کہ فلاں عمل لائق التزام ہے اور فلاں حرکت قابل اجتناب۔ ان کی مثال ان مفید و مضر جڑی بوٹیوں کی سی ہے جن کے اثرات دخواص محققین نے قرابادین میں لکھ دئے ہوں، ان جڑی بوٹیوں میں سے چند کا انتخاب کر کے حکیم مریض کے لئے نسخہ لکھتا ہے تو واقعتاً یہ تحقیق شدہ اثر کی حامل ہوتی ہیں لیکن مریض کے نظام بدن میں کوئی اور ایسا فساد پایا جاتا ہو جس سے یہ اثر کالعدم ہو جائے یا وہ بعد میں ایسی مضر اشیاء استعمال کرے جو اس اثر کو ملیامیٹ کرنے والی ہوں تو یقیناً وہ نسخے سے فیض یاب نہ ہو سکے گا اسی طرح جن اعمال و افعال کے نتیجے میں جنت یا جہنم کی بشارت فرد یا گروہ کی تعیین کے بغیر حشر تک کے لئے دی گئی ان کا نتیجہ اسی صورت میں پیدا ہو سکتا ہے کہ آدمی خود ہی اس کے نتیجہ کو مخالف اعمال سے برباد نہ کر دے۔ ایک شخص ہمسائے کی مدد کرتا ہے تو یقیناً یہ فعل حسب بشارت جنت میں لے جانے کا ذریعہ ہے لیکن یہی شخص سود کھاتا ہے، جوا کھیلتا ہے تو یہ بشارت اس کے کام نہ آئے گی اور جس طرح بد پرہیزی کے سبب نسخے کا فائدہ نہ ہونا خود نسخے کی اثر انگیزی اور افادیت کا انکار نہیں کرتا اسی طرح اس شخص کا جہنم رسید ہو جانا مذکورہ بشارت کی اثر انگیزی اور افادیت کو غلط قرار نہیں دے گا۔

لیکن قرآن و حدیث نے ایک اور انداز کی بشارتیں بھی دی ہیں جو بعض افراد یا گروہوں کے لئے مخصوص ہیں ان کا پھیلاؤ تمام زمانوں پر نہیں بلکہ خاص زمانے پر ہے۔ مثلاً ابولہب کا نام لے کر جہنم کی خبر دی یا رسول اللہ نے متعین کر کے کسی شخص کو جہنمی کہا جیسے کہ ایک مجاہد کے بارے میں آپ نے فرمایا تھا کہ یہ جہنمی ہے۔ حالانکہ وہ نہایت بہادری کے ساتھ اہل کفر سے لڑ رہا تھا لیکن اللہ نے رسول کو خبر دی تھی کہ یہ دین کی حمایت میں نہیں بلکہ قومی عصبیت میں لڑ رہا ہے اور خودکشی کر کے مرے گا۔ ایسا ہی ہوا۔

اس طرح کی بشارتوں اور وعیدوں کا وہ معاملہ نہیں جو پہلی طرز کی بشارتوں کا ہے۔ ان میں نہ چون وچرا کی گنجائش ہے نہ استثناء کی۔ یزید کے بارے میں جس بشارت پر گفتگو ہے وہ دوسری ہی قسم میں داخل ہے۔ قسطنطنیہ پر پہلا غزوہ ظاہر ہے کہ ایک خاص وقت کا قصہ ہے اور بشارت نے ان تمام افراد کو نامزد کر دیا ہے جو اس غزوے میں شریک ہوئے ہیں یہ بالکل ایسا ہی ہے جیسے ایک بادشاہ اعلان کرے کہ فلاں میدان میں جو لوگ پہلی بار پہنچیں گے انہیں دس دس ہزار اشرفیاں انعام دی جائیں گی۔ کھلی بات



ہے کہ جو گروہ پہلی بار اس میدان میں پہنچ گیا۔ اس کا ہر ہر فرد انعام کا مستحق ہو گیا۔

کوئی کہہ سکتا ہے کہ نہیں، اگر ایک قاتل ڈاکو یا بدکردار باغی وہاں پہنچا ہے تو اسے انعام نہیں دیا جائے گا، ہم کہیں گے کہ اول تو شاہی آن اور آئینی تقاضے کے تحت یہ بھی لازماً مستحق انعام ہو گا۔ دوسرے یہ اتفاق ایک عام انسانی اعلان میں پیش آ سکتا ہے۔ لیکن کیا اس بادشاہ کے اعلان میں بھی پیش آئے گا جسے پہلے ہی معلوم ہے کہ کون کون شخص میدان میں پہنچے گا۔؟

ہمیں تو نظر آ رہا ہے کہ تردید کے جوش میں آپ نے قصداً یا سہواً یہ باور کر لیا ہے کہ رسول اللہ کی پیشین گوئیاں بھی عام انسانوں جیسی تھیں یا پھر نجومیوں کی سی اٹکل پچو۔ نعوذ باللہ من ذلک۔ حالانکہ رسول اللہ کی ذات گرامی اس پستی سے بلند تھی کہ آپ یونہی بلا اشارۂ غیبی بشارتیں دیتے پھریں۔ اللہ نے آپ کو اطلاع دی کہ قسطنطنیہ (مدینۃ قیصر) پر پہلا غزوہ کرنے والے گروہ کی مغفرت کی جاتی ہے تبھی آپ نے زبان سے خوش خبری نکالی۔ کیا اللہ تعالیٰ کو وہ بات معلوم نہ تھی جو آج آپ کو معلوم ہے کہ یزید بعد میں اس حد تک بدکردار ہو جائے گا کہ بشارت ہی لنگڑی ہو کر رہ جائے گی۔ اگر واقعی یزید اس بشارت سے مستثناء ہو سکتا تو اللہ سے زیادہ کسے خبر ہو سکتی تھی کہ جس گروہ کو زبان رسول سے مغفور کہلا رہے ہیں ان میں یزید بھی مع اپنے قافیے "پلید" کے موجود ہو گا اور اسے جنت بھیجنا ہمارے لئے ممکن نہ ہو گا۔ اس خبر کے ہوتے ہوئے لازماً وہ کوئی جملہ، لفظ، حرف بشارت کے ساتھ ساتھ ہی ایسا ضرور کہلوا دیتے کہ استثناء کی گنجائش نکل آتی۔ نہیں کہلوایا۔ تو یہ کہاں کی حق پسندی ہے کہ استثناء کا یہ طبعزاد کارنامہ آپ انجام دیں۔

آپ اگر کوئی مثال دے سکتے ہیں تو دیں کہ کسی مؤقت اور محدود پیشین گوئی میں بھی وہ استثنائی منطق ظہور میں آئی ہو جس کا زیر بحث پیشین گوئی میں شوشہ نکالا گیا ہے۔ یہ کیا آپ عوام کو مغالطہ میں ڈالنے والی باتیں کر رہے ہیں۔ خدا اپنی اس مثال کو دیکھئے۔

امتی امۃ مرحومۃ۔ ظاہر ہے یہ کسی قسم کی محدود مؤقت بشارت نہیں بلکہ ایک دائمی اور ہمہ گیر اعلان ہے اس لئے اسے غزوہ قسطنطنیہ کی نظیر میں نہیں لایا جا سکتا پھر اس کی تشریح کرنے میں آپ نے جو انداز اختیار فرمایا ہے اس سے تو اندازہ ہوتا ہے کہ جوش تحریر میں آپ فکر و بصیرت سے بالکل کام نہیں لے سکے ہیں۔ ذرا انصاف کیجئے اگر کوئی مرتد ہو جائے تو دوسری نصوص کو ڈھونڈنے کی کیا ضرورت پیش آئے گی جبکہ خود یہی حدیث کافی وشافی ہے۔ یہ شخص تو خود ہی ارتداد کے راستے امت محمدیہ کے دائرے سے نکل گیا پھر "مرحومۃ" کے زمرے میں شامل رہنے کا کیا سوال جو خواہ مخواہ اور روایات تلاش کی جائیں۔ بشارت امت محمدیہ کے لئے ہے نہ کہ خارجین امت کے لئے۔

رہا یہ کہنا کہ "اس حدیث کا وعدہ قدرتی طور پر بشرط بقائے اجابت ہوگا مطلقاً نہ ہوگا" تو یہ بھی طول لاطائل سے کم نہیں۔ بے ضرورت نکتہ سنجیاں کبھی کبھی بات کا بتنگڑ بنا دیتی ہیں۔ اس حدیث کا صاف سا مطلب یہ ہے کہ امت محمدیہ کا کوئی بھی فرد اس بشارت سے مستثنیٰ نہیں اور "بقائے اجابت" وغیرہ کی شرطیں لگانا مقصد دینے کے مرادف ہے۔ یہی وجہ ہے کہ کوئی بھی آدمی چاہے کتنا ہی گناہ گار رہا ہو لیکن اگر بظاہر مسلمان مرا ہے تو اسے "مرحوم" کہا جاتا ہے۔ رحم یا رحمت کیا آپ اسی کو سمجھتے ہیں کہ مجرم یکسر معاف کر دیا جائے؟ اگر ایسا ہے تو اس غلط خیال کی اصلاح فرمائیے۔ رحم یا رحمت یہ بھی ہے کہ مجرم جتنی سزا کا مستحق تھا اس میں کچھ تخفیف کر دی جائے۔ پھانسی کا مستوجب قرار دیا ہوا مجرم جب اقتدار اعلیٰ کو رحم کی درخواست پیش کرتا ہے تو اس کا یہ مطلب نہیں ہوتا ہے کہ وہ جیل سے بھی رہا کئے جانے کی درخواست دے رہا ہے۔ پھر جب یہ اقتدار اعلیٰ اس کی پھانسی معاف کر کے عمر قید باقی رہنے دیتا ہے تو یہی کہا اور سمجھا جاتا ہے کہ درخواست رحم منظور ہوگئی۔ حالانکہ عمر قید ابھی باقی ہوتی ہے۔ یہی معاملہ امت محمدیہ کا ہے کہ کوئی بھی مسلمان جو گناہ کرے گا اس کی سزا دینے میں اللہ تعالیٰ نرمی، درگزر اور رعایت سے کام لے گا۔ کتنے ہی تو یونہی بخش دئے جائیں گے۔ کتنے ہی آنحضورؐ کی شفاعت سے فیض یاب ہوں گے اور بقیٰ کو عذاب تو دیا جائیگا مگر اس سے کچھ یا کافی کم جتنے کے وہ اپنے اعمال قبیحہ کے باعث سزاوار تھے۔ یہی وہ رحم و رحمت جس کی نوید اس حدیث میں دی گئی ہے اور کوئی معقولیت نہیں ہے کہ آپ زیر بحث بشارت سے یزید کو خارج کرنے کے لئے اسے پیش کریں۔ پھر تماشا ہے کہ بات کو گول کرنے کے لئے آپ نے اچانک تصوف کی زبان بولنی شروع کر دی: "قلبی احوال کا بننا بگڑنا" یہاں چہ معنی دارد اور "مقامات" کا تذکرہ کس لئے؟ کیا آپ کہنا چاہتے ہیں کہ جن لوگوں کو اللہ اور رسول نے مغفور کہا ہو انہیں طریقت و تصوف کی زبان میں "صاحب مقامات" اور صاحب دل بھی ہونا چاہئے؟ نہیں ہوں گے تو ہم محض مسلمان ہونے کو کافی نہ سمجھتے ہوئے اللہ اور رسول کی دی ہوئی مغفرت تسلیم نہیں کریں گے۔ یوں تو آپ قسطنطنیہ کے جس شریک کو چاہے بڑے اطمینان سے خارج از بشارت کر سکتے ہیں۔ چند معمولی لغزشیں بیان فرما دیجئے اور کہہ دیجئے کہ "قلبی احوال و باطنی نیات و جذبات" بگڑ گئے اور "تقویٰ کے مقامات" سے یہ شخص گر گیا لہذا مغفرت ضبط۔ اے حضرت! یہ کیا سلوک ہے جو آپ بشارت رسول سے کر رہے ہیں، حالانکہ جن عبارتوں کو آپ نے قسطلانی اور عینی وغیرہ سے نقل کیا ہے ان میں بھی زیادہ سے زیادہ یہ ہے کہ جو شخص مغفرت کا اہل ہی نہ رہے یعنی مرتد ہو جائے وہ بشارت سے خارج ہو جائے گا۔

توکیا آپ یزید کو کافر و مرتد کہتے ہیں؟ —— اگر کہتے ہیں تو اقرار کیجئے۔ نہیں کہتے تو یہ قلبی



احوال اور مقامات تقویٰ کی کیا تک؟ افسوس آپ جوش تردید میں یہ بھی بھول گئے کہ آنجناب مشہور واعظ ہیں۔ آپ ہی کی زبان سے ہزاروں سامعین نے بارہا اس طرح کے قصے سنے ہیں کہ فلاں شخص اتنا بدکار ایسا بدنہاد اور شرابی کبابی تھا مگر اللہ کے یہاں اس کی فلاں نیکی مقبول ہوگئی اور جنت میں داخل کر دیا گیا۔ اس طرح فلاں شخص نہایت زاہد و متقی تھا مگر اس کی ایک ہی لغزش اسے اللہ کے یہاں مبغوض بنا گئی اور جہنم میں پھینک دیا گیا۔ لیکن یزید کے معاملہ میں آپ کے زاویۂ نظر کا یہ حال ہے کہ پوری تعلیمیت کے ساتھ فرماتے ہیں:—

"مغفورٌ لهم کو ایسا محکم سمجھنا کہ یزید کے مرتے دم تک کے تمام فسق و فجور کی مغفرت ہوگئی یا وہ ہمیشہ کے لئے سیات سے محفوظ اور معصوم بنا دیا گیا محض ذہنی اختراع ہے حدیث کا مدلول نہیں۔"

کمال ہے ایک ہی عمل نیک پر بعض بدترین گناہگاروں کی مغفرت بس منبر وعظ ہی تک تھی یزید کا معاملہ آیا تو اللہ کی شان غفاری اوجھل ہوگئی۔ کس نے کہا ہے کہ یزید ہر طرح کے گناہ سے معصوم و محفوظ تھا۔ یہ دعویٰ تو سوائے انبیاء کے کسی کے لئے بھی نہیں کیا جا سکتا۔ مانے لیتے ہیں کہ یزید اتنا ہی برا معصیت کیش تھا جتنا آپ اور صدیوں کا شیعی پروپگنڈہ باور کرانا چاہتا ہے، لیکن ان لوگوں کے گناہوں کا نقشہ بھی تو آپ اسی ہولناک انداز میں کھینچتے ہیں جنہیں اللہ کی نکتہ نوازی نے ایک ہی عمل کے بدلے بخش دیا۔ پھر یہ یزید کیا کسی اور اللہ کا بندہ تھا جسے اس کی نکتہ نوازی سے کوئی حصہ نہیں مل سکتا۔

حدیث رسول پر اگر قلبی ایمان ہو اور جذباتی لگاوٹیں آڑے نہ آئیں تو یہ یقین کر لینے میں کوئی دقت نہیں کہ جن لوگوں کی مغفرت کا مژدہ اللہ کی طرف سے بزبان رسول سنا دیا گیا انہیں چاہے بظاہر ہمالیہ جیسی برائیاں ہوں تو بھی ان سے مغفرت الٰہی کا وعدہ منسوخ نہ ہو سکے گا۔ آپ کے اور ہمارے بنیادی عقائد بھی اس کی تردید نہیں تائید ہی کرتے ہیں۔ دیکھ لیجئے امام اعظم ابو حنیفہؒ اپنی الفقہ الاکبر میں صاف فرماتے ہیں:—

وما كان من السيئات دون الشرك والكفر ولم يتب عنها صاحبها حتى مات مؤمنا فانه في مشيئة الله تعالى ان شاء عذبه وان شاء عفا عنه ولم يعذبه بالنار اصلا (ص۱۸۶ متن)

اور شرک و کفر کے علاوہ چاہے جو بھی گناہ آدمی سے سرزد ہوئے ہوں اور اس نے ان سے توبہ بھی نہیں کی۔ ہاں مرتے دم تک مومن ہی رہا تو اس کا معاملہ اللہ کی مرضی پر ہے چاہے وہ عذاب دے اور چاہے معاف کر دیں اور آگ سے دور رکھیں۔

یہی بات اللہ نے قرآن میں کہی ہے کہ شرک و کفر کے علاوہ ہر گناہ معاف کر سکتے ہیں۔ ملا علی قاری حنفی کی شرح فقہ اکبر دیکھئے۔ انہوں نے مزید صراحت کر دی ہے کہ وما کان السیئات کا مطلب یہ ہے کہ کفر و شرک کے علاوہ چاہے کوئی بھی کیسا ہی گناہ ہو اور لم یتب عنہا سے مراد یہ ہے کہ چاہے وہ شخص کسی بھی صغیرہ و کبیرہ گناہ سے توبہ کئے بغیر مر گیا ہو۔

تو حضرت محترم! اس بنیادی عقیدے کے باوجود آپ کیوں اس کے درپے ہیں کہ رسول اللہ کی صریح و محکم بشارت کے بعد بھی یزید کو جہنم ہی میں پہنچا کر دم لیں ــــــــــــ

ــــــــ اور ایک ایسے یقین کو جو اللہ کے سچے رسول کی بشارت پر سر تسلیم خم کر دینے کا ثمرہ ہے جنونی اختراع کے طنزیہ الفاظ سے تعبیر کریں جبکہ کا کافر و مشرک ہونا آپ خود بھی نہیں مانتے کون دعویٰ سے کہہ سکتا ہے کہ یزید اگر ایسا ہی برا تھا جیسا مشہور ہے تب بھی اس نے مرتے وقت تک توبہ نہیں کی ہو سکتا ہے اس اللہ کے بندے کو بھی کسی وقت اپنے رب کے حضور توبہ و استغفار کی توفیق ہو گئی ہو۔ تب تو اور بھی امکان مغفرت بڑھ جاتا ہے۔ لیکن یہ سیدھی سی بات سمجھ میں نہیں آتی تو جانے دیجئے۔ امام اعظم تو صاف ہی فرما رہے ہیں کہ کفر و شرک کے علاوہ چاہے دنیا بھر کے گناہ کئے ہوں اور کبھی توبہ کی بھی توفیق نہ ہوئی ہو لیکن کافر و مشرک ہوئے بغیر مرا ہے تو مغفرت کا اہل ہے اور اللہ چاہے تو بلا عذاب جنت میں بھیج سکتا ہے ــــــ

رسول اللہ کی پیشین گوئیاں اگر اللہ ہی کے عطا فرمودہ علم پر مبنی تھیں تو یزید کے بارے میں اللہ کی مشیت بخاری والی روایت سے بلا ابہام معلوم ہو گئی۔ پھر آخر کیوں یزید کی مغفرت آپ کو ہضم نہیں ہوتی۔ کیا ایسا تو نہیں کہ قرآن کی آیات اور امام اعظم کے بیان فرمودہ بنیادی عقیدے پر سے آپ کا بھروسہ اٹھ گیا؟

جن روایات و اجتہادات سے آپ نے یزید کو خارج از بشارت کیا ہے ان کی داخلی قوت و ضعف اور حیثیت کا تو ہم اس وقت جائزہ لیں گے جب پوری کتاب پر تفصیلی گفتگو کا موقع آئے گا۔ فی الوقت اتنا ہی عرض کرنا کافی ہو گا کہ اپنی لائی ہوئی روایات کی جو تشریح آپ نے پیش فرمائی ہے اسے اگر جوں کا توں بھی مان لیا جائے تب بھی ان سے زیادہ سے زیادہ یہ ثابت ہوتا ہے کہ یزید بہت گناہگار تھا۔ یہ تو ثابت نہیں ہوتا اور نہیں ہو سکتا کہ وہ کافر و مشرک تھا یا مرتد ہو کے مرا۔ پھر اسے آپ کس بنیاد پر بشارت سے خارج کئے دے رہے ہیں جبکہ قرآن کا متفق علیہ عقیدہ جو ابھی ہم نے امام اعظم کی زبان سے بیان کیا ہے۔ آپ کا بھی عقیدہ ہے۔ کیا ضرورت لاحق ہوئی تھی یزید کے فسق و فجور کی روایات ڈھونڈ کر لانے اور ان کے



ذریعہ بخاری کی مستحکم حدیث کو تختۂ مشق بنانے کی جبکہ بنیادی عقیدے کی رو سے فسق و فجور مغفرت کے منافی نہیں ہے اور یزید کا فاسق و بدکار ہونا بخاری والی بشارت میں استثناء کا آرا چلانے پر مجبور نہیں کرتا۔ ایسی کوششیں تو جب ہوتی ہیں جب روایات باہم متعارض ہوں۔ تعارض نہیں تو یہ اکھاڑ پچھاڑ کیسی؟

ہم کہتے ہیں کہ اصولاً اگرچہ یہ بات درست ہے کہ مرتد کی مغفرت نہیں ہو سکتی لیکن ہر مسلمان سمجھ سکتا ہے کہ اللہ تعالیٰ اپنے رسول کے ذریعہ کسی فرد یا مخصوص افراد کی مغفرت کا اعلان فرما دیں تو آپ سے آپ طے ہو جاتا ہے کہ یہ لوگ مومن ہی مریں گے مرتد نہ ہوں گے۔ آخر اللہ کے علم میں تو ہے ہی کون کیا کرے گا کس انجام کو پہنچے گا۔ وہ اگر کسی کے مقدمہ میں ارتداد تقدیر فرما دیں تو نا ممکن ہے کہ اس کی مغفرت کی بشارت بھی دیں۔ مغفرت کی بشارت اسی تقدیر پر دی جا سکتی ہے کہ مبشر افراد کا خاتمہ ایمان ہی پر ہونا ہے۔ جب یہ بات ہے تو انصاف کیجئے کہ جن اسلاف نے بخاری والی بشارت صریحہ کے ذیل میں مرتد کی مغفرت نہ ہونے کا تذکرہ فرمایا ہے انہوں نے کہاں تک بر محل بات کہی ہے۔ آخر کیا جوڑ ہے۔ اس بشارت سے ارتداد کی نکتہ آفرینی کا جبکہ یہ حضرات خود بھی یزید کو مرتد نہیں کہتے۔ سوائے اس کے کیا کہا جائے کہ شیعی پروپگنڈے کے تحت یزید کو فاسق و فاجر اور قاتل حسینؓ یقین کر لینے کے بعد ان لوگوں کا جی کسی طرح نہیں چاہتا کہ یزید کی مغفرت کا فیصلۂ خداوندی ٹھنڈے دل سے تسلیم کر لیں بس کوئی نہ کوئی نئی نکالتے ہیں چاہے بات بنے یا نہ بنے۔

ہمارا دعویٰ ہے کہ پہلے غزوۂ قسطنطنیہ کے مجاہدین میں سے ایک بھی مرتد نہیں ہوا۔ ہوتا کیسے، جن کے لئے خود عالم الغیب والشہادہ نے ہی مغفرت طے کر دی ہو وہ کیوں کر شرک و کفر ہو کر دنیا سے جا سکتے ہیں۔ اللہ کو پورا علم تھا کہ اس گروہ مومنین میں کوئی مرتد ہونے والا نہیں۔ اگر ہونے والا ہوتا تو ضرور وہ رسول کی زبانی دی ہوئی بشارت صریحہ میں کوئی ایسا لفظ لکھوا دیتے جو استثناء کی گنجائش دیتا۔ پھر آخر لوگوں کو کیا ہوا ہے کہ ہر مومن کے لئے چاہے وہ کتنا ہی بڑا گناہگار ہو امکان مغفرت کا عقیدہ رکھنے کے باوجود وہ رسول اللہ کی بشارت سے یزید کو نکالنے کی زبردستی کر رہے ہیں اور انمل بے جوڑ طریقے پر ارتداد کا حکم بیان فرما رہے ہیں۔ یہ جرأت ہے تو کہو یزید مرتد تھا تب بے شک بشارت رسول کے ذیل میں ارتداد کی بحث کھڑی کرنا۔ یہ کیا بو الفضولی ہے کہ یزید کو مرتد بھی نہیں کہتے اور ارتداد کی بحث بھی بیچ میں لاتے ہو۔ کہیں ایسا تو نہیں کہ یزید کی حد تک تم نے خوارج و معتزلہ کا عقیدہ اختیار کر لیا ہو کہ معصیت کا مرتکب کافر ہو جاتا ہے!

اور آپ نے بخاری و مسلم کی روایت کو جو بطور مثال پیش کیا ہے تو اس کا حاصل کاغذ سیاہ کرنے کے سوا کیا ہے (ناظرین ورق الٹ کر صفحہ ۳۵۶ کے اقتباس کو پھر پڑھ لیں) بھلا جس شخص کی تقدیر ہی اللہ نے یہ بنائی ہو کہ عمر کا بڑا حصہ نیکیوں میں گزارتے ہوئے جنت کے قریب ہی قریب ہوتا چلا جائے اور پھر اچانک کوئی انتہائی مبغوض عمل کر کے جہنم میں جا پڑے تو اس میں اور حدیث بشارت میں کیا جوڑ؟ اس حدیث میں تو بعض غیر متعین افراد کی حالت کا بیان ہے، کیا قسطنطنیہ کے غزوۂ اولیٰ کے محدود و متعین شرکاء میں سے بھی کسی کے بارے میں اللہ یا رسول نے یہ بتایا ہے کہ وہ جنت سے قریب تو ہو گیا تھا مگر جہنم میں ڈال دیا گیا۔ یزید کو آپ جہنمی کہتے رہیں مگر جس حدیث میں اللہ کے سچے رسول نے بشارت دی ہے اس میں تو یہ نہیں کہا گیا کہ یزید جہنم میں گیا اور دوسری جو ادھر ادھر کی روایات آپ یزید کو پہلے سرے کا گناہ گار ثابت کرنے کے لئے لاتے ہیں تو ان سے بھی خود آپ ہی کے عقیدے کے مطابق یزید کا ناقابل مغفرت ہونا لازم نہیں آتا کیونکہ زندگی بھر گناہ کرتے رہنے کے باوجود کوئی شخص مرتد نہیں ہو جاتا اور مرتد نہ ہو تو علی الاتفاق مغفرت کا اہل رہتا ہے، پھر بھی آپ یزید کو جہنم رسید کرنے کے درپے رہیں تو یہ بشارت رسول کے ساتھ گستاخی آمیز سلوک نہ ہوگا تو اور کیا ہوگا اور سلطان الانبیاء کی پیشین گوئیوں کو من جانب اللہ ماننے والے اور اللہ کے علم کو خطا سے پاک سمجھنے والے کلیجہ مسوس کر نہ رہ جائیں گے تو کیا کریں گے۔

ایک اور مغالطہ ہے جو یہاں یا تو خود آپ ہی کو ہوا ہے یا پھر آپ نے عوام کو دینا چاہا ہے۔ بخاری و مسلم کی پیش فرمودہ روایت میں مغفرت کا ذکر نہیں ہے بلکہ جنت کے قریب پہنچنے کا ذکر ہے۔ مغفرت قرب جنت کو نہیں دخول جنت کو کہتے ہیں۔ مغفور وہی ہے جو جنت میں داخل کر دیا جائے نہ کہ ابھی باہر ہی ہو۔ اللہ اور رسول نے تعلیم دی ہے کہ آخر دم تک اللہ سے ڈرتے رہو۔ مغفرت طلب کرتے رہو۔ زندگی بھر کے اعمال حسنہ پر مغرور نہیں۔ زعم مت کرو۔ اسی تعلیم کی بنیاد پر امت مسلمہ میں یہ دعا عام ہے کہ اے اللہ ایمان پر خاتمہ کرنا۔ لہٰذا اگر بخاری و مسلم کی روایت میں بعض لوگوں کے اچانک انقلاب حال کا ذکر آیا ہے تو اس میں تعجب کیا اور بحث کیسی؟ اسے آپ اس گروہ کی مزاج پرسی میں کیوں پیش کر رہے ہیں جسے مغفور کہہ دیا گیا یعنی داخل جنت۔ کیا یزید کو جنت میں سے بھی گھسیٹ کر دوزخ میں ڈالیں گے۔

آپ فرماتے ہیں:۔

"انہی معنوں میں اس شخص کی نیکی کرتے رہنے کے دوران میں ہر شخص اسے یہی کہے گا کہ فلاں آدمی تو جنتی ہے لیکن غور کیا جائے تو جنتی درحقیقت اس آدمی کو نہیں کہا جاتا بلکہ



اس کے احوال و اعمال کو کہا جاتا ہے۔ وہ جب بھی بدل کر جہنمی ہو جائیں گے جب ہی یہ حکم بدل جائے گا اور یہ شخص بھی جہنمی کہلائے گا۔"

دیکھ لیجئے ہم نہ کہتے تھے آپ رسول اللہ کی بشارت کو عام آدمی کی بشارت سے زیادہ اہمیت نہیں دیتے۔ محترم! عام آدمی کا تو بیشک یہی حال ہے کہ وہ ظاہرہ اور موجودہ احوال کو دیکھ سکتا ہے اسے نہیں معلوم کل کیا ہونا ہے یا کسی کے دل کا کیا حال ہے، ہو سکتا ہے جو شخص آج نیک ہے وہ کل بد ہو جائے یا وہ آج بھی بد ہی ہو لیکن نیک بن رہا ہو لیکن اللہ اور رسول کی شان میں تو یہ جرأت نہ فرمائیے کہ انہوں نے یزید کے اس وقت تک کے ظاہری اعمال کا لحاظ کر کے مغفور لہم کہہ دیا یعنی دخول جنت کی بشارت دیدی اور بعد میں اچانک اس سے بدکاریوں کا اظہار ہوا تو وہ چونکے کہ ارے ہم نے کس مردود کو مغفور بنانے کا اعلان کر دیا تھا یہ تو بد معاش نکلا، جھونکو جہنم میں۔

آپ خدا کے لئے غور کیجئے یہ مطلب نہیں نکلتا تو اور کیا مطلب نکلتا ہے۔ اول تو آپ کی تقریر یوں مضحکہ خیز ہے کہ رسول اللہ کی یہ پیشین گوئی ایسے افراد کے بارے میں نہیں ہے جو اس وقت سامنے موجود اعمال کو دیکھ کر عام آدمیوں کی طرح رسول اللہ نے ان کے جنتی ہونے کا گمان کر لیا ہو۔ یزید اچھا یا برا جو کچھ بھی تھا اس وقت آپ کے سامنے نہیں تھا کہ اس کے مجموعی اعمال و افعال کے نشیب و فراز پر پیشین گوئی کا مدار ہوتا۔ دوسرے یوں افسوسناک ہے کہ رسول اللہ کو بھی آپ علم و خبر کے معاملے میں باقی انسانوں پر قیاس کر رہے ہیں کہ ظاہر میں نیکوکار دیکھا تو جنتی کہہ دیا اور بدکار دیکھا تو جہنمی ٹھیرا دیا۔ حالانکہ اللہ کا آخری پیغمبر نہ مرزا غلام احمد جیسا تخمین کار تھا نہ عام آدمیوں کی طرح ظاہر بیں۔ اس نے غیبی معاملات میں جو بھی صحیح فیصلہ دیا ہے وہ اس علم یقینی کے تحت دیا ہے جو اللہ کا بخشا ہوا تھا اور نا ممکن ہے کہ وہ غلط ہو جائے۔ یزید کی دشمنی میں کم سے کم حرمت رسول سے تو نہ کھیلئے یہ کیا کفر آمیز کلام ہے کہ اللہ کے رسول تو مجاہدین قسطنطنیہ کو ہمیشگی کی بشارت مغفرت دیں اور آپ اس بشارت کا حلیہ اس انداز میں بگاڑیں کہ گویا اللہ کے رسول کی پیشین گوئی تکے کا تیر تھی جو کہیں نشانے پر بیٹھا کہیں چوک گیا۔ بڑا قہر ہے کہ یزید دشمنی اور تردید عباسی کے جوش میں آپ مغفرت کے معروف و مسلّم مفہوم کو بھی ملیا میٹ کر گئے ہیں۔ آپ نے مغفرت کو کوئی ایسا ہی حاضر انعام ظاہر کرنا چاہا ہے جیسے دنیا کے نقد انعام ہوتے ہیں۔ چنانچہ عواقب پر غور کئے بغیر آگے اسی باطل خیال کو آپ نے بایں الفاظ پیش فرمایا ہے۔

"اس سے بھی زیادہ اقرب اسی حدیث کی تشریح یہ ہے کہ جہاد قسطنطنیہ سے یزید کی سابقہ سیئات کی مغفرت کر دی گئی تو وہ مغفور لہم میں حقیقتاً داخل ہو گیا، لیکن بعد کی

سیئات کی مغفرت کا اس میں کوئی وعدہ نہیں تھا، اس لئے آئندہ کے فسق کا حکم دوسرا ہوگا۔

آپ خیال کرتے ہونگے کہ یہ نکتہ میں نے نہایت بلیغ پیدا کیا، بیشک بلیغ تو ہے مگر اس کی بلاغت کا زہری نشتر اس متفق علیہ عقیدے کا سینہ چاک کر گیا ہے جو امت مسلمہ عشرہ مبشرہ کے بارے میں رکھتی ہے۔ ہم تو جناب ہی کے مدرسے میں یہ پڑھا تھا کہ عشرہ مبشرین ان صحابیوں کو کہتے ہیں جن کی مغفرت کا اللہ نے فیصلہ فرما دیا، اب یہ سوچنا بھی جرم ہے کہ بعد کی کسی لغزش سے یہ جہنم میں جاسکتے ہیں۔ اگر وہی بات سچ ہو جو آپ فرما رہے ہیں تو کسی بھی مبشر بالجنۃ کے بارے میں اطمینان نہیں کیا جاسکتا کہ وہ سچ مچ جنت میں گیا کیونکہ اللہ کے سوا کون یقینی فیصلہ دے سکتا ہے کہ وعدۂ مغفرت کے بعد کی زندگی میں اس نے کوئی عمل ایسا نہیں کیا جو داخل گناہ ہو۔ پھر تو اللہ کے وعدۂ مغفرت کی کوئی قیمت ہی نہ رہی۔

اگر مغفرت کوئی ایسا نقد انعام ہوتا جو فوراً مل جایا کرتا تب تو یہ کہنا کچھ معنی رکھتا تھا کہ جس وقت تک یزید کے احوال و اعمال مقبول یا مغفور رہے وہ بشارت مغفرت میں شامل تھا، لیکن جبکہ مغفرت حاضر انعام نہیں بلکہ مرنے کے بعد والا صلہ ہے تو آخر کیا فائدہ ہوسکتا ہے اس بات کا کہ آج اللہ تعالیٰ بشارت مغفرت دے اور کل جہنم میں ڈال دے۔ حدیث رسول کی رو سے پہلا غزوۂ قسطنطنیہ ایک عظیم تر اور محمود ترین کارنامہ ثابت ہوتا ہے جس کا انکار خود آپ بھی نہیں کرسکتے، اس کارنامہ کا انعام اگر آپ کے نزدیک اللہ تعالیٰ نے یہی دیا ہے کہ پہلے وعدۂ مغفرت فرمایا پھر اسے منسوخ کردیا تو پھر یوں کہئے کہ نعوذ باللہ اللہ میاں بھی مذاق ہی کرتے ہیں! بھلا یہ عارضی وعدۂ مغفرت کے کوڑی قیمت رکھتا ہے، سوائے تمسخر کے کیا حاصل ہوسکتا ہے اس کا؟ خالی الفاظ جو صابن کے جھاگوں سے بھی زیادہ بے حقیقت ہیں۔ ہم تو کسی طرح بھی خزائن ارض و سما کے جواد و کریم مالک سے یہ توقع نہیں رکھ سکتے کہ وہ ایک عظیم لائق انعام کارنامے کے بدلے خالی الفاظ پکڑا دے گا جن کا رتی برابر فائدہ نہ ہو۔

شاید آپ کہیں گے کہ اس بشارت کا فائدہ یہ تو ہوا کہ سابقہ خطائیں معاف ہوگئیں، ہم عرض کریں گے کہ تب آپ اس تعریف کو بدل دیجئے جو آج تک عشرہ مبشرہ صحابیوں کے سلسلے میں بشارت مغفرت کی ہوتی آئی ہے۔ یعنی وہاں بھی یوں کہئے ان اصحاب کا مغفور ہونا طے نہیں بلکہ صرف یہ طے ہے کہ جس وقت بشارت دی گئی اس وقت تک کے قصور معاف ہوگئے، بعد کے اعمال میں یہ بشارت مفید نہ ہوگی۔ جس وقت یہ تبدیلی آپ فرمالیں گے اس وقت ہم ضرور جھانک کر دیکھیں گے کہ یزید جہنم کے کس طبقے میں ہے اور ساتھ ہی آپ کے سامنے اللہ کے رسول کے وہ ارشادات اور علمائے امت کے وہ فرمودات



پیش کریں گے جن سے بلا ریب و شک واضح ہوتا ہے کہ مبشر بالجنۃ کا مطلب صرف سابقہ گناہ معاف ہونا نہیں بلکہ طے شدہ مغفرت ہے اور مبشرہ ہستیاں کسی بھی گناہ کے باعث دوزخ میں نہیں ڈالی جائیں گی چاہے وہ گناہ وقت بشارت سے قبل ہوا ہو یا بعد میں۔

ہم جانتے ہیں شعوری طور پر آپ بھی اسی کے قائل ہیں چنانچہ دیکھ لیجئے آپ نے تحریر فرمایا:

: پس جب یزید کا اچھا حال تھا بشارت قائم تھی جب بدل گیا تو بشارت بھی اٹھ گئی۔

اگر بشارت کا مطلب آپ یہی سمجھتے کہ سابقہ گناہ معاف ہوگئے تو بشارت قائم رہنے اور اٹھنے کا کیا سوال باقی رہ جاتا تھا۔ آپ قدرتی طور پر یہ لکھتے کہ بشارت درست ہے پچھلے گناہ معاف ہوئے، اب اگلے گناہوں کے سبب یزید دوزخ میں ڈالا جائے گا، نیز یہ زحمت نہ اٹھانی پڑتی کہ دور دراز روایات سے حدیث بخاری میں استثناء نکالیں بلکہ اس کھڑاگ کے بغیر ہی آپ کہہ دیتے کہ ہاں بخاری والی بشارت ٹھیک ہے۔ یزید کے غزوۂ قسطنطنیہ تک کے گناہ بخشے گئے۔ اب آگے کو جو گناہ اس نے کئے ہیں ان کے سبب ہم اسے دوزخ میں دھکیلیں گے۔ بشارت قائم رہنے اور اٹھنے کا ذکر کرنا ہی اس بات کا ثبوت ہے کہ خود آپ کے نزدیک بھی بشارت مغفرت کا محل صرف سابقہ گناہوں کی مغفرت پر ختم نہیں ہوجاتا اور حدیث بخاری میں استثناء نکالنے کے لئے صفحے کے صفحے سیاہ کرنا ہی اس حقیقت کی شہادت ہے کہ خود آپ بھی بشارت مغفرت کا منشا یہی سمجھتے ہیں کہ وہ ایک حقیقی انعام ہے جو مل کر رہتا ہے یہ نہیں کہ لفظی وعدہ ہو اور حقیقتاً کچھ بھی نہ ملتا ہو۔ تب آخر یزید ہی سے اتنا عناد و بغض کیوں ہے کہ اپنے عقیدہ و خیال کے برعکس بشارت مغفرت کے ایک طبعزاد معنی بھلانے کی سعی فرما رہے ہیں۔ آپ لوٹ پھر کر زیادہ سے زیادہ وہی کہہ سکتے ہیں جو پہلے اقتباس میں کہا ہے، یعنی کہ ہم نے تو دیگر روایات و اقوال ہی سے یزید کو خارج از بشارت کرکے شامل وعید کیا ہے تو ہم وہی معارضہ پیش کریں گے کہ آپ کی جمع فرمودہ تمام منطق کا زیادہ سے زیادہ حاصل یہی نکلتا ہے کہ یزید بہت بڑا گناہگار تھا اسے لوگوں نے فاسق و فاجر کہا ہے لیکن فاسق و فاجر کی مغفرت کا امکان تو آپ بھی تسلیم کرنے پر مجبور ہیں پھر کیوں نہیں سرکار دو عالم کی دی ہوئی بشارت پر سر جھکاتے کیوں اس بات کو ناممکن تصور فرماتے ہیں کہ پہلا غزوۂ قسطنطنیہ اللہ اور رسول کے نزدیک اجر و جزا کے اعتبار سے ایسا ہی عظیم تر عمل خیر ہو جس کے آگے سارے گناہ ہیچ ہوں۔ آخر کیا آپ کو نہیں معلوم کہ سابقون الاولون کا انفاق کیا ہوا ایک رتی سونا بعد میں انفاق کئے ہوئے احد پہاڑ کے برابر...... سونے سے زیادہ وزنی مانا گیا ہے۔ اس سے یہ حقیقت واشگاف ہوتی ہے کہ بعض اعمال بظاہر معمولی ہوتے ہوئے بھی اللہ کے نزدیک بہت محبوب ہوتے ہیں۔ تو کیوں آپ یہ باور نہیں کرتے کہ غزوۂ قسطنطنیہ بھی ایسا

ہی محبوب ترین عمل ہوگا۔ رسول اللہ کا خصوصیت سے اس کے بارے میں بشارت دینا آخر کھیل تو نہیں تھا۔ کسی عام آدمی کی قیاسی اپج تو نہیں تھی۔ کوئی خفی اہمیت ہی تھی جو زبان رسول پر یہ بشارت آئی۔ اگر مجاہدین قسطنطنیہ کی مغفرت کا مدار ظاہری اعمال خیر ہی پر ہوتا جیسا کہ آپ ثابت کرنا چاہتے ہیں تو اس بشارت کا آخر حاصل کیا تھا، اعمال خیر کے حاملین تو عام قانون شریعت ہی کے تحت مغفرت پالیں گے یہ خصوصی بشارت چہ معنی دارد؟

بڑا رنج ہے کہ آپ جیسا حلیم وضابطہ اللسان یزید دشمنی میں اس قدر آگے بڑھ گیا ہے کہ ذہنی توازن ہی کا سراغ نہیں ملتا۔ ذرا سی روایت کو دیکھئے جو آپ نے بخاری ومسلم سے اپنے حق میں نقل فرمائی ہے اول تو آپ نے اس کی ترجمانی درست نہیں کی دوسرے یہ تو الٹی یزید کے حق میں جا رہی ہے۔

"وہ آدمی اہل جنت کا عمل کرتے کرتے جنت سے اتنا قریب ہوجاتا ہے کہ اس میں اور جنت میں بالشت بھر کا فصل رہ جاتا ہے مگر نوشتۂ تقدیر سامنے آجاتا ہے اور وہ جہنم میں چلا جاتا ہے اور ایسے ہی برعکس۔ (ص ۱۵۶)"

ترجمانی تو یوں غلط ہے کہ اردو میں جب نوشتۂ تقدیر پر بات رکھ دیتے ہیں تو مطلب یہ ہوتا ہے کہ ہم نے تو کوشش میں کوئی کوتاہی نہیں کی تھی، لیکن تقدیر ہی ساتھ نہ دے سکی۔ دن رات بولتے ہیں کہ ہم نے تو سب کچھ کر لیا مگر تقدیر ہی میں ناکامی تھی تو کیا کریں۔

لیکن جنت دوزخ میں جانے کا معاملہ ایسا نہیں کہ تقدیر کو الزام دیا جائے۔ اللہ تعالیٰ کا واضح قانون ہے کہ ہر شخص اعمال کا بدلہ پائے گا نہ یہ کہ کسی کو باوجود نکوکار ہونے کے اس لئے جہنم میں جھونک دیا جائے گا کہ اس کی تقدیر میں جہنم لکھ دیا گیا تھا۔ اللہ کی تقدیر ایسی بے قاعدہ نہیں۔ وہ جس کے لئے جنت یا جہنم لکھے گا۔ لازماً کچھ اعمال بھی ایسے لکھے گا جن کا ارتکاب کرکے وہ جہنم یا جنت کا حقدار بنے۔ ایک شخص زندگی بھر نیکیاں کرتا رہے تو ناممکن ہے کہ وہ جہنم میں بھیج دیا جائے، جہنم ہی اس کی تقدیر ہے تو لازماً کوئی ایسا فعل بھی اس کے لئے مقدر ہوگا جس کی معنوی قباحت اس کے سارے اعمال نیک پر فوقیت لے جائے گی اور اس کی سزا میں وہ جہنم رسید ہوگا۔ اسی طرح برعکس۔ تو آنجناب نے جس انداز سے حدیث کی ترجمانی کی ہے وہ سہو پر مبنی ہے۔ اس سے تو اللہ کے انصاف کے بارے میں غلط فہمی پیدا ہوتی ہے۔

رہا اس حدیث کا یزید کے حق میں جانا تو یہ بھی سامنے کی بات ہے۔ آخر اس حدیث سے یہی تو ظاہر ہوا کہ اچھے یا برے کسی ایک طرح کے بے شمار اعمال کا بہت بڑا انبار بھی یہ قطعی فیصلہ کرنے کے



لئے کافی نہیں کہ یہ شخص لازماً اسی جزا کا مستحق ہوگا جسے یہ انبار متعین کر رہا ہے، ساری عمر نیک عمل کئے مگر آخر میں کوئی ایسا عمل کر گزرا جو معنوی گراوٹ میں بد سے بدتر تھا تو اس توقع کے بالکل برخلاف جو ساری عمر کے نیک اعمال سے کی جا سکتی تھی۔ وہ دوزخ میں جھونک دیا جائے گا اور اسی طرح برعکس۔ یہی تو ہے مفہوم اور منشاء اس حدیث کا۔ پھر یہ سمجھنے میں کیا دشواری رہی کہ یزید کی بداعمالیوں کا جو فلک بوس انبار نظر آ رہا ہے وہ جہنمی ہونے کے فیصلۂ قطعی کا ضامن نہیں بلکہ حدیث ہی کے مطابق ان ایک وزن دار عمل یا چند اعمال صالحہ اسے داخل جنت بھی کر سکتے ہیں۔ بشارت رسول کو تاویل کا تختۂ مشق بنانے کے بجائے آپ غیر جانبدار ہو کر سمجھنے کی سعی کیوں نہیں کرتے۔ اچھی طرح سوچئے کیا یہ آپ کی بیان کردہ روایت حدیث بشارت کو مجروح کرنے کی بجائے اس کی تائید مزید نہیں کرتی؟

یہ کیا کہا کہ

"درحقیقت اس آدمی کو نہیں کہا جاتا بلکہ اس کے احوال و اعمال کو کہا جاتا ہے"

مجلس وعظ میں تو اس طرح کے نکتے داد لے سکتے ہیں، لیکن علمی مباحث میں ان کا کوئی وزن نہیں احوال واعمال تو انسانی خواص واوصاف ہیں جن کا انسان سے ہٹ کر کوئی مخصوص وجود نہیں۔ جنت اور دوزخ میں آدمی کا جسم جاتا ہے نہ کہ افعال واعمال۔ پھر اس منطق سے فائدہ؟ یہ تو ایسی ہی منطق ہے جیسے ہم ابوجہل کو برا کہنے لگیں تو آپ ٹوکیں کہ نہیں بھئی اسے برا مت کہو اس کے اعمال وافعال کو کہو۔ اس کے بعد ایک قدم بڑھ کر آپ یوں بھی کہہ سکتے ہیں کہ نہیں بھئی اعمال وافعال کو بھی برا مت کہو کہ اللہ کی مرضی بغیر ذرہ ادھر سے ادھر نہیں ہو سکتا اور جو کچھ ابوجہل نے کیا وہ تو تقدیر الٰہی تھا، تقدیر الٰہی کو برا کہنا سخت گستاخی ہے! منطق کو غلط استعمال کیا جائے تو وہ کھنکھجورا بن جاتی ہے۔

بے شک اعمال وافعال ہی کی وجہ سے کسی شخص کو اچھا یا برا کہتے ہیں لیکن اعمال وافعال انسان سے ہٹ کر کوئی مستقل بالذات وجود نہیں رکھتے کہ ان کی رسی بٹ کر یزید کے لئے پھانسی لٹکا دی جائے۔

پھر چلئے مان لیا اعمال وافعال ہی کو اچھا برا کہنا بنیادی حقیقت ہے، لیکن کیا رسول اللہ کی صریح بشارت کے بعد بھی یہ سمجھنے میں کوئی دقت باقی رہ جاتی ہے کہ یزید کا ایک ہی فعل جہاد اس کے تمام اعمال بد سے بڑھ گیا اور اللہ نے اسے جنت دینے کا فیصلہ فرما دیا۔

غور کرنے کا مقام ہے کہ جنت کی بشارت اگر اعمال ظاہرہ ہی سے متعلق ہوتی تو محض دس ہی صحابیوں کو اس کا شرف نصیب نہ ہوتا بلکہ بے شمار صحابی تھے جن کے اعمال ظاہری اس بشارت کے مستحق تھے اللہ کا خصوصیت سے دس کو نامزد کرنا واضح کرتا ہے کہ ان دس کی خاص اہمیت و پذیرائی منظور ہے، ان

نے بعض اعمال ایسی خصوصیت سے مقبول بارگاہ ہوتے ہیں کہ اب ان کا کوئی عمل اس مقبولیت کو بدل نہیں سکتا۔ تب آخر غزوۂ قسطنطنیہ والی بشارت ہی اعمال ظاہرہ سے کیوں متعلق کی جا رہی ہے، کیوں نہیں سوچا جاتا کہ یہ غزوہ اپنے شرکاء کے لئے ناقابل تنسیخ مقبولیت کا باعث بنا ہے اور یہی تنہا تمام معاصی کا کفارہ ہے جیسا کہ ابھی چند روایات پیش کرتے ہیں۔

کوئی جاہل ہو تو صبر کر لیا جاتا ہے کہ کسی ایک عمل کی اتنی بڑی قدر و قیمت اس کی سمجھ میں نہیں آ رہی ہے کہ اس سے سارے گناہ دھل جائیں لیکن آپ جیسے عالم بھی ایسی ہی بے خبری کا مظاہرہ کرنے لگیں تو دل خون ہوتا ہے حضور تو صاف جبکہ خود بھی ایک ایسی حدیث بھی بیان فرما رہے ہیں جو ایک ہی عمل سے متقابل اعمال کے پورے ڈھیر کو بے اثر بنا دینے کا ثبوت لا رہی ہے۔ قرآن و حدیث سے ایسی ایک نہیں ہزار نصوص پیش کی جا سکتی ہیں جن سے بعض اعمال کی بے اندازہ عظمت و رفعت کا پتہ چلتا ہے، ہم صرف کتاب الجہاد ہی کی چند حدیثیں پیش کرتے ہیں کہ بخاری والی بشارت سے متعلق ہے۔ بخاری و مسلم کی روایت ہے:-

قَالَ رَسُولُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ رِبَاطُ يَوْمٍ فِي سَبِيلِ اللّٰهِ خَيْرٌ مِّنَ الدُّنْيَا وَمَا عَلَيْهَا۔

رسول اللہ نے فرمایا کہ اللہ کی راہ میں ایک دن چوکیداری کرنا تمام دنیا اور اس کی ہر شے سے بہتر ہے۔

اللہ اکبر! مقابلہ نہیں صرف چوکیداری کی یہ شان ہے کہ محض ایک دن کی چوکیداری تمام دنیا و مافیہا سے بڑھ کر ہو گئی۔ اور بخاری اور مسلم ہی میں ہے:-

قَالَ رَسُولُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ لَغَدْوَةٌ فِي سَبِيلِ اللّٰهِ أَوْ رَوْحَةٌ خَيْرٌ مِّنَ الدُّنْيَا وَمَا فِيهَا

حضور نے فرمایا کہ جہاد کے راستے ایک صبح یا ایک شام جانا دنیا و مافیہا سے بہتر ہے۔

اور بخاری میں ہے:-

قَالَ رَسُولُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ مَا اغْبَرَّتْ قَدَمَا عَبْدٍ فِي سَبِيلِ اللّٰهِ فَتَمَسَّهُ النَّارُ۔

حضور نے فرمایا جس بندے کے قدم جہاد کی راہ میں گرد آلود ہوئے انہیں جہنم کی آگ چھو ہی نہیں سکتی۔

اور مسلم میں ہے:-

اِنَّ النَّبِيَّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ الْقَتْلُ فِي سَبِيلِ اللّٰهِ يُكَفِّرُ كُلَّ شَيْءٍ إِلَّا الدَّيْنَ۔

حضور نے فرمایا، اللہ کی راہ میں قتل ہو جانا سوائے قرض کے جملہ معاصی و مثالب کو معدوم کر دیتا ہے

یہ چند مثالیں ہیں اس بات کی کہ بعض اعمال جو کیفیت و کمیت کے لحاظ سے بظاہر معمولی ہیں اللہ



کے نزدیک کس قدر محبوب ہیں ان کے مقدس قدموں میں گناہوں کے ہمالیہ بھی ریزہ ریزہ ہو جاتے ہیں، اس طرح کی مثالوں کے لئے تلاش کی ضرورت نہیں۔ حدیث کے جس باب کو کھول لیجئے بلا دقت کئی مثالیں مل جائیں گی۔ صحابیت ہی کو دیکھ لیجئے کہ تنہا ایک شرف ہے مگر کیا غیر صحابی کی عمر بھر کی عبادتیں بھی اس کی برابری کر سکتی ہیں؟ پھر آخر ان لوگوں کے ایمان کو کیا ہو گیا ہے جو یزید کے معاملہ میں لوہے کے باٹ ترازو اٹھائے ہیں اور اس کے اعمال و افعال کو سیروں کے حساب سے تول کر فیصلہ دیتے کہ برے اعمال کا وزن کئی سیر زیادہ ہو گیا لہٰذا جہنم میں ڈالو۔ وہ لوگ حق شناسی کی کس منزل میں ہیں جو اللہ کے رسول کی دی ہوئی بشارت مغفرت کو یزید کے لئے اس لئے تسلیم کرنے کو تیار نہیں کہ ان کی نگاہ میں وہ بہت بڑا گنہگار تھا حالانکہ خود ان کا بنیادی عقیدہ یہ ہے کہ کفر و شرک کے علاوہ ہر معصیت معاف ہو سکتی ہے اور ہر مومن بہرحال مغفرت کا اہل ہے۔ گناہ و ثواب کو اپنے ترازو سے مت تولو۔ اللہ کے ترازو پر نظر کرو۔

سچ کہتے ہیں بشارت رسول سے یزید کو خارج کرنے کی کوشش جس انداز سے آپ نے کی ہے، اس سے کچھ ایسا منظر سامنے آتا ہے کہ جیسے اللہ کا معصوم رسول نیاز مندوں کے جھرمٹ میں بیٹھا ہے اور کہہ رہا ہے کہ سن لو اے لوگو! قسطنطنیہ پر جو لوگ پہلا جہاد کریں گے ان کے لئے اللہ نے مغفرت لکھ دی۔

اس پر کچھ لوگ اٹھتے ہیں اور ناک بھوں چڑھا کے کہتے ہیں کہ نہیں یا رسول اللہ! ان لوگوں میں تو یزید بھی شامل ہے اسے جنت میں داخل ہوتا ہم کیسے دیکھ سکیں گے۔ یہ دیکھئے آپ نے تو غلط ہی یہ فرمایا تھا۔ اس سے ثابت ہوتا ہے کہ یزید پہلے سرے کا بدکار تھا۔ پھر آپ کو یا اللہ میاں کو کیا حق ہے کہ اسے مغفرت سے نوازیں! ہم تو اسے خارج کریں گے۔

کیسا ہولناک منظر ہے یہ! گستاخی اور گمراہی سے لبریز حالانکہ جتنی بھی روایتوں میں رسول اللہ کی زبان سے صراحتاً یزید کا فسق و فجور کھلا دیا گیا ہے وہ سب بلا استثناء جھوٹی اور گندی ہیں، ان کے بعض راوی ائمہ فن کی تصریحات کے مطابق اتنے لئیم ہیں کہ ان کے نفس کی گراوٹ شاید یزید کی شہرت یافتہ گراوٹوں سے بھی بڑھ کر ہو۔ اس شخص کی پستی کا کیا ٹھکانا ہو گا جو رسول اللہ پر بہتان باندھے اور اپنے دل کی گھڑی ہوئی بات ان کی طرف منسوب کرے۔ رہیں وہ روایتیں جن سے صراحتاً نہیں بلکہ اجتہاداً اور اشارتاً یزید کا فسق و فجور ظاہر ہوتا ہے تو وہ بھی اپنے متن اور اسلوب کے اعتبار سے اس کی گنجائش رکھتی ہیں کہ یزید ان کی زد میں نہ آئے۔ تاہم چلئے ساری روایتیں تسلیم اور یزید کا فسق و فجور بجا لیکن جب فسق و فجور آدمی کو کافر نہیں بناتے اور اللہ ہر گناہ سوائے شرک و کفر کے معاف کر سکتا ہے تو ان ذکاوت حس کے مریضوں کا کیا حشر ہو گا جو اللہ کے رسول سے بے بنیاد معارضہ کریں اور بے محابا کہیں کہ یزید کو ہم

نہیں بخشنے دیں گے۔ پھر حضورؐ ہی کے ارشادِ صریح کو مجروح کرنے کی کوشش فرمائیں۔ ہزار بار پناہ اس بہادری سے اور لاکھ بار توبہ اس بے دانشی سے کہ پرائے شگون میں آدمی اپنی ہی ناک کاٹ لے۔

**خود را فضیحت**

آپ عباسی صاحب پر منہ بھر کے الزام لگاتے ہیں کہ انہوں نے کتابوں سے اپنے مطلب کی روایتیں لے لیں اور باقی چھوڑ دیں۔ یہ الزام کس حد تک درست ہے اسے ہم اگلی صحبت میں دیکھیں گے۔ فی الوقت صرف ایک نمونہ اس حقیقت کا دکھلانا چاہتے ہیں کہ ع

این گناہیست کہ در شہر شما نیز کنند

ان کتابوں اور مضمونوں کو چھوڑیئے جن میں جماعت اسلامی اور مولانا مودودی کا رد کرتے ہوئے آپ اور آپ کے ہم نواؤں نے ان کے لٹریچر سے ایسا چھچھورا کھیل کھیلا ہے کہ جس آنکھ والے نے آپ کے نقل فرمودہ اقتباسات کو اصل سے ملا کر دیکھ لیا سر پیٹ لیا۔ خود اسی بحث کے سلسلہ میں دیکھئے کہ "میٹھا میٹھا ہپ کڑوا کڑوا تھو" کا فن خود آپ نے بھی برتا ہے۔ تفصیل پوری کتاب کے جائزے میں عرض کریں گے۔ اس وقت صرف اسی بحث کا ایک نمونہ حاضر خدمت ہے۔

جس غزوۂ قسطنطنیہ کے شرکاء کی خبر مغفرت اللہ کے سچے رسول نے دی ہے۔ تقدیر دیکھئے کہ صرف شرکت ہی نہیں اس کی سربراہی اور سالاری کی سعادت بھی یزید ہی کے حصے میں آئی۔ تمام تاریخیں اور بخاری کی شرحیں اس پر متفق ہیں۔ لیکن شیعوں کی فن کاری قابلِ داد ہے کہ انہوں نے سنیوں تک میں حبِّ حسینؓ اور بغضِ یزید کو اتنا اہم الاہم بنا دیا کہ سنی عوام ہی نہیں خواص ــــ اور آپ جیسے خواص رسول اللہ کی پیشین گوئی اور اللہ کی تقدیر تک سے کبیدہ خاطر ہیں۔ وہ دشمنی ہی کیا جو حریف کی ہر خوبی پر سیاہی نہ پھیر دے۔ آپ کو یہ اچھا نہیں لگا کہ مذکورہ غزوے میں یزید کی امارت و سالاری صبر سے برداشت کریں چنانچہ کوشش فرماتے ہیں کہ اس طے شدہ حقیقت کو بھی مشکوک بنا دیں۔ حالانکہ یہ کوشش فی نفسہ لایعنی ہے کیونکہ حدیث کی بشارت جملہ شرکاء کے لئے ہے۔ یزید امیر نہ ہوتا تب بھی محض شرکت کافی تھی۔ لیکن رونا تو یہ ہے کہ یہ لایعنی کوشش بھی آپ نے دیانت و فراست کے ساتھ نہیں کی۔

آپ اس کوشش کی بنیاد علامہ عینی کی تحریر پر رکھتے ہیں۔

"بہر حال علامہ عینی کے کلام سے یہ بھی واضح ہو گیا کہ اس زیرِ بحث غزوۂ قسطنطنیہ میں یزید کی امارت و قیادت کا دعویٰ یقینی طور پر ثابت شدہ نہیں بلکہ عینی کے نزدیک اقوال میں اصح قول یہی ہے کہ یزید کی شرکت اس غزوے میں ہوئی مگر قیادت نہیں ہوئی یہ اکابر



صحابہ اس کی ماتحتی میں دیئے گئے ہوں۔" (صفحہ ۱۶۸)

اگر تنہا علامہ عینی کسی ایسی بات کو اصح کہنے لگیں جو تمام مستند مورخین و شارحین کے نزدیک اصح نہ ہو تو تنہا ان کا کہنا حجت نہیں ہو سکتا، لیکن یہاں تو لطف یہ ہے کہ علامہ عینی پر بھی آپ نے صریح بہتان تراش دیا ہے ورنہ وہ آپ کے علی الرغم یزید ہی کو غیر مشتبہ طور پر سالارِ امیر مانتے ہیں، لیجئے جو ان کی عبارت بطور شہادت آپ نے نقل کی اسی کو دیکھئے اور سوچئے کہ فرطِ جوش میں آپ کیا کر گزرے ہیں۔ آپ نے عینی عبارت کا جو ترجمہ دیا ہے وہ یہ ہے:۔

"اور ذکر کیا گیا ہے کہ یزید بن معاویہ نے بلادِ روم میں جہاد کیا یہاں تک کہ وہ قسطنطنیہ تک پہنچا اور اس کے ساتھ سادات صحابہ کی ایک جماعت تھی جس میں سے ابن عمر ابن عباس ابن الزبیر اور ابو ایوب انصاری بھی تھے جن کی وفات قسطنطنیہ کی دیوار کے قریب ہوئی اور وہیں ان کی قبر بنائی گئی جس سے قحط کے وقت لوگ توسل کر کے دعائیں مانگتے ہیں اور صاحب مرآۃ کہتے ہیں کہ صحیح بات یہ ہے کہ یزید بن معاویہ نے قسطنطنیہ کا غزوہ ۵۲ھ میں کیا اور کہا گیا ہے کہ حضرت معاویہ نے قسطنطنیہ پر چڑھائی کے لئے ایک لشکر بھیجا جس کے امیر سفیان بن عوف تھے جنہوں نے لشدۃ تمام روم کے علاقوں پر حملہ کیا اس لشکر میں ابن عباس ابن عمر ابن الزبیر اور ابو ایوب انصاری تھے اور ابو ایوب اسی زمانہ میں قسطنطنیہ میں وہیں وفات پا گئے۔"

میں کہتا ہوں (صاحب المرآۃ) کھلی ہوئی بات یہ ہے کہ یہ اکابر صحابہ اس سفیان بن عوف کے ساتھ تھے یزید کی ساتھ نہ تھے کیونکہ یزید اس کا اہل نہ تھا کہ یہ بڑے بڑے اکابر اس کی خدمت میں (ماتحت کی حیثیت سے) رہیں۔ مہلب نے کہا کہ اس حدیث سے حضرت معاویہ کی منقبت ثابت ہوتی ہے کیونکہ انہوں نے ہی سب سے پہلے دریائی جنگ لڑی اور ان کے بیٹے یزید کی منقبت بھی نکلتی ہے۔ کیونکہ اسی نے سب سے پہلے قیصر کے اس شہر (قسطنطنیہ) پر دھاوا کیا۔ میں کہتا ہوں (صاحب مرآۃ) یزید کی وہ کونسی منقبت تھی (جو قابلِ ذکر ہوتی) جبکہ اس کا حال (فسق و فجور) مشہور ہے۔ اگر تم یہ کہو کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے اس لشکر کے حق میں مغفور لہم فرمایا ہے تو میں یہ کہوں گا کہ اس عموم میں یزید کے داخل ہونے سے یہ لازم نہیں آتا کہ وہ کسی دوسری دلیل سے اس سے خارج بھی نہ ہو سکے۔ کیونکہ اس میں تو علماء کا کوئی اختلاف ہی نہیں کہ حضورؐ کے مغفور لہم میں وہی داخل ہیں جو مغفرت کے اہل ہیں حتیٰ کہ

اگر ان غزوہ کنندوں میں سے بعد میں کوئی شخص مرتد ہوجاتا تو یقیناً اس بشارت کے عموم میں داخل نہ رہتا تو اس سے صاف واضح ہے کہ مراد حضور کی یہ ہے کہ مجاہدین روم کی مغفرت کی گئی اس شرط کے ساتھ کہ ان میں مغفرت کی شرط پائی جائے "

آپ بھی دیکھیں اور تمام آنکھ والے بھی کہ اس اقتباس سے علامہ عینی کی کس رائے کا پتہ چلا۔ تجزیہ یہ کرنا ہے کہ اس میں خود علامہ عینی کا اپنا قول کیا ہے اور صاحب المرآۃ کا قول کیا۔ صاف ظاہر ہے کہ عینی اپنے طور پر تو یہ فرماتے ہیں کہ :۔

"یزید بن معاویہ نے بلاد روم میں جہاد کیا یہاں تک کہ وہ قسطنطنیہ تک پہنچا اور اس کے ساتھ سادات صحابہ کی ایک جماعت تھی..... (تا دعا مانگتے ہیں")

اس کے بعد

"اور صاحب مرآۃ کہتے ہیں"

سے وہ اپنا نہیں صاحب المرآۃ کا قول نقل کر رہے ہیں جو آخر تک چلا گیا ہے۔ تو زبان وادب کا کوئی مبتدی بھی کیا عینی کے اپنے قول کا مفہوم اس کے سوا کچھ سمجھ سکتا ہے کہ یزید ہی سالار و امیر تھا۔ اگر کوئی اور سالار ہوتا تو عینی اسی کا نام لے کر بقیہ شرکاء کا ذکر کرتے۔ جہاد کرنے اور قسطنطنیہ تک پہنچنے کی نسبت یزید کی طرف کرنا ہی صاف طور پر بتاتا ہے کہ یزید عینی کی نگاہ میں امیر لشکر ہی تھا۔ تاریخیں اٹھا کر دیکھئے، کتابیں اخبار پڑھئے بے شمار جگہ اس طرح کی عبارتیں آپ کو ملیں گی۔

"خالد بن ولید نے فلاں شہر فتح کر کے فلاں شہر پر حملہ کیا اور ان کے ساتھ فلاں اشخاص تھے"

"نپولین فلاں جگہ سے فلاں جگہ پہنچا اور اس کے ساتھ مختلف ملکوں کے سپاہی تھے"

کیا اس انداز بیان کا مطلب اس کے سوا بھی کچھ ہوتا ہے کہ حضرت خالد یا نپولین کا نام بطور کمانڈر آیا ہے۔ اس کے باوجود اگر کوئی کہے کہ یزید کا کمانڈر نہ ہونا عینی کے نزدیک "اصح قول" ہے تو اس کے سوا کیا سمجھا جائے کہ یزید دشمنی نے اس کے ہوش و حواس سلب کر لئے ہیں۔

ہاں سالار نہ ہونے کا قول صاحب المرآۃ ہی نے کیا ہے نہ کہ عینی نے اور آخر تک انہی کے قول کا بیان ہے نہ کہ عینی کے ذاتی خیال کا۔ اس سے ثابت ہوا کہ عینی پر آپ نے بہتان باندھا۔

پھر فیصلہ صاحب المرآۃ کی دلیل پر بھی تو نظر ڈالئے۔ یزید کے امیر نہ ہونے پر انہوں نے کوئی تاریخی شہادت پیش نہیں کی حالانکہ تاریخی واقعات میں منطق کم اور روایتی شہادتیں زیادہ ضروری ہوتی ہیں پھر



ان کی دلیل جتنی سطحی ہے وہ بھی اہل نظر سے پوشیدہ نہیں۔ ہم تجلی میں یہ تفصیل لکھ چکے ہیں اور ہر با علم آدمی خوب جانتا ہے کہ فوجوں کی سالاری کے لئے زہد و تقویٰ مدار انتخاب نہیں ہوا کرتے بلکہ وہ صلاحیتیں معیار انتخاب ہوتی ہیں جن کے ذریعہ فوجوں کو خوش اسلوبی سے لڑایا جاتا ہے۔ کیا یاد نہیں کہ حضرت ابوذر جیسے عابد و زاہد صحابی سے اللہ کے رسول نے فرمایا تھا کہ میں اللہ کی پناہ مانگتا ہوں اس بات سے کہ تمہیں چند آدمیوں پر بھی افسر بنایا جائے۔ یہ یاد نہیں تو امارت و سالاری پر قرآن و حدیث کی دیگر تصریحات اور ائمہ سلف کے فرمودات دیکھ لیجئے یہی ملے گا کہ جیسا کام ہو ویسی ہی صلاحیتوں کا آدمی منتخب کیا جائے۔ یزید بہادر تھا، جنگ کے نشیب و فراز سمجھتا تھا۔ صاحب حرب و ضرب تھا۔ ان صفات کو خود آپ نے بھی اپنی اسی کتاب میں گو با دل ناخواستہ مانا ہے مگر مانا ہے اور ماننے کی مجبوری یہ تھی کہ اس کے جہنمی ہونے کا فیصلہ دینے والے بھی ان صفات کا اعتراف کر گئے ہیں۔ تب صاحب المرآۃ کی اس منطق میں کیا جان رہی کہ یزید سالاری کا اہل نہ تھا۔ مستزاد یہ کہ آپ حضرات ایک سانس میں تو یہ کہتے ہیں کہ معاویہ نے یزید کو ولیعہد بنایا تو انہیں اس کی بدکرداریوں کا علم نہیں تھا، یا اس وقت تک وہ ایسا بدکردار نہیں ہوا تھا اور دوسرے سانس میں اس کے برعکس باتیں منوانے کی کوشش کرتے ہیں۔ خدا بتائیے اگر یہی بات تھی کہ ولی عہدی کے وقت تک یزید بدکردار نہیں تھا یا تھا تو ڈھکا چھپا تو غزوۂ قسطنطنیہ کے وقت اس کے عیوب اور بھی مخفی رہے ہوں گے، کیونکہ یہ ولیعہدی سے کافی پہلے پیش آیا ہے۔ تب نگاہ صحابہ میں اس کی نااہلی ثابت کرنے کی طبع آزمائی کیا وزن رکھتی ہے۔ اگر گناہوں کا ارتکاب فوجی کمانداری کے منافی ہو تب بھی یہ اسی وقت زیر بحث آسکتا ہے جب لوگوں کو علم ہوجائے یہ کیا طریقہ ہے کہ جو نام نہاد علم صاحب المرآۃ کو بعد کے فلک شگاف پروپیگنڈے نے دیا ہے اسے صحابیوں کے دماغ میں بھی ٹھونسنے کی سعی کر رہے ہیں۔ واقعات کی ترتیب، درایت اور سوجھ بوجھ اس سے ربا کرتی ہے۔

رہی صاحب المرآۃ کی یہ چرب زبانی کہ: "میں کہتا ہوں یزید کی وہ کونسی منقبت تھی جبکہ اس کا حال مشہور ہے" الی آخرہ۔ تو یہ سوال انہیں اللہ کے رسول سے کرنا چاہئے جنہوں نے مجاہدین قسطنطنیہ کے پورے گروہ کو مغفور کہہ کر صاحب المرآۃ جیسا زاویہ نظر رکھنے والوں کو خفا کر دیا اور اس اللہ سے کرنا چاہئے جس نے بشارت کی وحی کرتے ہوئے یہ نہ دیکھا کہ اس مبشر بالجنۃ گروہ میں یزید بھی موجود ہے۔

جس کو میرے بندے دوزخ میں جھونکے بغیر دم نہ لیں گے!

لوگ یک رخے جذبوں کی رو میں توازن کھو بیٹھتے ہیں اور نہیں دیکھتے کہ ان کا تیر کس کس کا کلیجہ چھید گیا! اچھا تو بات اس الزام کی ہو رہی تھی جو عباسی صاحب پر لگایا جا رہا ہے۔ یعنی کڑوا کڑوا تھو میٹھا

میٹھا ہپ۔ ذرا دیکھئے خود آپ بھی تو میٹھا ہی میٹھا چھانٹ رہے ہیں۔ بخاری کے سب سے بڑے اور مانے ہوئے شارح علامہ ابن حجر عسقلانی کی فتح الباری سے آپ نے اپنے مطلب کی تو خوب عبارتیں نقل کر دیں لیکن وہ الفاظ چھوڑ گئے جو کڑوے تھے۔ کتاب اٹھا لیجئے۔ اسی حدیث (یغزون مدینۃ قیصر) کے تحت کیا ابن حجر نے ابن التین کا رد کرتے ہوئے یہ نہیں کہا کہ اگر ان کی مراد یہ ہے کہ یزید غزوے میں شریک ہی نہ تھا تو یہ "قول مردود" ہے، اور پھر صریح الفاظ میں فرماتے ہیں۔

فانہ کان امیر ذلک الجیش بالاتفاق۔ | پس وہ یزید اس لشکر کا سپہ سالار تھا بالاتفاق

ہم آپ سے پوچھتے ہیں کہ کسی صاحب المرآۃ کا بے دلیل فرمودہ تو آپ کو اتنا اہم نظر آیا کہ پورے دو صفحے پر نقل کر کے نتائج اخذ کر لئے اور امارت یزید کے مسلم واقعے کو مجروح کرنا شروع کر دیا لیکن ابن حجر کا یہ فرمودہ چھپانے ہی کے قابل محسوس ہوا کہ :۔

"یزید کی امارت تو بالاتفاق مسلم ہے"

ابن حجر جیسا وسیع المطالعہ "بالاتفاق" کے الفاظ نہیں کہہ سکتا تھا اگر تاریخی شواہد یزید کی سالاری کو غیر یقینی بتاتے۔ عسقلانی، عینی، قسطلانی تینوں مشہور شارحین بخاری یزید کو سالار بتا رہے ہیں مگر آپ ہیں کہ ہوائی دلیلوں سے اس سعادت کو بھی مشکوک بنانے میں ساعی ہیں۔ یہ حق پرستی نہیں تعصب ہے، حکمت نہیں دھاندلی ہے۔ ابن حجر کی اپنے حسب منشا عبارتیں نقل کر دینا اور مذکورہ فقرہ دبا جانا ویسی ہی خیانت ہے جیسی عباسی صاحب کے سر تھوپی جا رہی ہے۔ عینی کی نقل شدہ تحریر سے الٹا مطلب نکالنا اور کسی صاحب المرآۃ کے نقطۂ نظر کو سر چپکنا دیانت نہیں کہلا سکتا۔

**تلبیس** — تلبیس کا لفظ ہم نے ہلکا بولا، جن روایتوں کو محققین و ناقدین نے یکسر من گھڑت اور مردود قرار دیدیا ہے۔ انہیں رسول اللہ کی طرف منسوب کر کے نقل کرنا اس سے سخت لفظ کا مستحق ہے۔ آپ کہتے ہیں :۔

"ابو عبیدہ نے رسول اللہ سے روایت کی کہ آپ نے فرمایا کہ میری امت کا امر و حکم عدل کے ساتھ قائم رہے گا یہانتک کہ پہلا وہ شخص اسے تباہ کرے گا جو بنی امیہ میں سے ہوگا جسے یزید کہا جائے گا" صـ۱۵۱

پھر معصومیت سے فرماتے ہیں :۔

"لیکن ہم نے اس قسم کی روایتوں کو اس لئے پیش نہیں کیا کہ ان کی سندوں میں کلام



کیا گیا ہے"

واحسرتا! اتنا مشہور حکیم الاسلام اور ایسے حربے! جنہیں اور کوئی استعمال کرے تو داد چھپے کھلائیں غیر بھرتا ہے ترے خط کو لئے یوں کہ اگر ؎ کوئی پوچھے کہ یہ کیا ہے تو چھپائے نہ بنے بیان بھی فرمائے جاتے ہیں اور پیش نہ کرنے کا بھی دعویٰ ہے۔ دل خون ہو جاتا ہے یہ دیکھ کر کہ جن روایتوں کا موضوع و جعلی ہونا فن اور درایت ہر لحاظ سے کھلا ہوا ہے انہیں بھی آپ جیسے ممتاز مسلمان بلا تکلف اسی طرح بیان کر دیں کہ :۔

"ابو عبیدہ نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے روایت کی"

اور آپ کا دل نہ کانپے کہ کس کذب و افترا کو خیر البشر سرورِ کونین فداہ امی و ابی سے منسوب کر رہے ہیں۔ مزید یہ بے انصافی کہ سیر کو تولہ بنا کر پیش کریں یعنی

"ان کی سندوں میں کلام کیا گیا ہے"

ارے کلام تو بخاری تک کی بعض سندوں میں کیا گیا ہے، کیا آپ کی علمی دیانت یہی کہتی ہے کہ جو روایات مردود و موضوع ہوں ان کے لئے ایسے ہلکے اور پھسپھسے الفاظ استعمال کریں تاکہ عوام اصل کیفیت سے بے خبر رہیں اور یہی سمجھیں کہ چلو کلام تو بہی کتب حدیث کی بعض روایات پر کیا گیا ہے یہ ایسا اہم معاملہ نہیں کہ روایت کو بالکل ہی نظر انداز کیا جائے۔

زید نے طلحہ کے سینے میں خنجر بھونک دیا۔ اس کی جائداد دبالی اس کے عیال کو جھوٹے مقدموں میں پھنسا دیا۔ اب ذرا اس شخص کے حسن بیان کو داد دیجئے جو ان ہولناک مظالم کا بیان ان الفاظ میں کرتا ہے۔

"زید سے طلحہ کے حق میں لغزش ہوئی"

کیا کہتے ہیں اس سے بھی ہلکا کوئی لفظ لاتے ہوتے ہم کہتے ہیں بد دیانتی صرف روپیہ ہضم کرنا نہیں یہ بھی بد دیانتی ہی ہے کہ سیر بھر کی چیز کا بیان اس انداز میں کیا جائے کہ سننے والے کو تولہ بھر محسوس ہو۔ گھڑی ہوئی واہی روایتوں پر صرف یہ ریمارک کہ ان کی سندوں میں کلام کیا گیا ہے، فن حدیث سے مذاق اور علمی دیانت سے فریب مبین ہے۔

---

رہیں وہ روایتیں جن سے آپ نے بخاری کی زیر تذکرہ بشارت کو منسوخ کرنا چاہا ہے تو ان سے بحث ہم ضرور کریں گے۔ مگر اس وقت جب پوری کتاب پر گفتگو ہوگی۔ اب تو صرف اتنا کہہ سکتے ہیں کہ ہزار متشابہات ایک محکم نص کو مسترد نہیں کر سکتے۔ آپ نے جتنی بھی روایات پیش کی ہیں سب اپنے مصداق و مفہوم کے

اعتبار سے محمل بھی ہیں اور ایسی بھی کہ ان کے محمل و تعبیر میں اختلاف کیا جاسکے وہ حدیث بشارت کی طرح صریح و محکم اور صاف شفاف نہیں ہیں۔

## دوسرا نمونہ

عباسی صاحب نے کہیں یہ لکھ دیا تھا کہ بعض ائمہ نے عدم بلوغ کے سبب حسین و حسن رضی اللہ عنہما کی صحابیت نہیں مانی بلکہ انہیں تابعین میں شامل کیا ہے۔

یہ لکھنا غضب ہو گیا۔ اسے آپ نے عباسی صاحب کا بدترین جرم قرار دیکر پچاس کے قریب صفحات سیاہ کرڈالے ہیں۔ ان صفحات کی معنوی قدر و قیمت کیا ہے اس کا تو ہم پوری کتاب کے نقد میں جائزہ لیں گے فی الحال آپ کا سب کہا درست مان کر عرض کرتے ہیں کہ بجا فرمایا۔ حضرت حسینؓ صحابی تھے۔ صحیح مسلک یہی ہے کہ بلوغ کو شرط نہ مانا جائے اور حسینؓ کی صحابیت تسلیم کی جائے، لیکن سوال یہ ہے کہ خود عباسی صاحب بھی ان کی صحابیت کے منکر ہیں۔ ہم اس سوال کا واضح جواب دیتے ہیں کہ وہ ہرگز منکر نہیں جس کا جی چاہے ان کا اپنا چھاپا ہوا ایڈیشن دیکھ لے وہ برملا اور بالاستقلال حسینؓ کو صحابی ہی مانتے ہیں۔ بس ان کا قصور یہ ہے کہ انہوں نے بعض ائمہ کا خیال نقل کر دیا۔ تو کیا یہ جھوٹ نقل کیا ہے؟ کیا آپ یہ کہیں گے کہ کسی بھی عالم و امام نے ایسا نہیں کہا تھا عباسی صاحب نے جھوٹ موٹ لکھ دیا؟ اگر ایسا کہہ سکتے ہیں تو کہہ کے دیکھئے ہم اس وقت بتائیں گے کہ کتنے ارباب علم نے واقعتہً یہ کہا ہے اور بلوغ کو شرط صحابیت ٹھیرایا ہے مگر آپ نہیں کہہ سکتے لہٰذا عباسی صاحب کا جرم صرف یہ رہا کہ انہوں نے بعض ائمہ کا ایسا قول نقل کر دیا جسے امت کی اکثریت نے پسند نہیں کیا ہے اور وہ اس کے برخلاف حسین کی صحابیت تسلیم کرتی ہے۔

اچھا ذرا دیکھئے بالکل اسی نوعیت کا ایک جرم خود آپ بھی تو ہاتھوں ہاتھ کر گزرے ہیں جو نوعیت کی حد تک ایسا ہی ہے مگر معنوی قباحت اور اخرات بد کے لحاظ سے اس سے کہیں زیادہ ہولناک ہے۔

جس طرح حضرت حسینؓ کی صحابیت بعض علماء نے تسلیم نہیں کی، حالانکہ زیادہ علماء اسے تسلیم کرتے ہیں، اسی طرح بعض لوگوں نے یزید کو کافر تک کہہ دیا، حالانکہ سواد اعظم اور علمائے حق کی غالب ترین اکثریت اسے کافر نہیں کہتی۔ بلکہ حق یہ ہے کہ اسے کافر کہنا خوف خدا سے بے پرواہ ہونے کی بدترین علامت ہے ——

تو لازم تھا کہ آپ بھی یزید کی تکفیر کا تذکرہ نہ کرتے لیکن آپ تو دھڑلے سے کہہ رہے ہیں کہ :۔

وہ بعض ائمہ کے یہاں تو یزید کی تکفیر تک کا مسئلہ بھی زیر بحث آگیا، یعنی جن کو اس کے قلبی دعاوی اور اندرونی جذبات کھلنے پر ان کی اطلاع ہوتی تو انہوں نے اس پر کفر



تک کا حکم لگا دیا۔ صـ۱۲۶

پھر آپ نے ابن ہمامؒ کے بھی کچھ فقرے نقل کئے ہیں جن سے ظاہر ہوتا ہے کہ بعض لوگوں نے یزید کو کافر کہہ دیا۔ آخر عباسی صاحب کے اور آپ کے فعل میں کیا فرق رہا؟ انہوں نے اگر بعض ائمہ کا قول نقل کر کے آپ کے بقول حضرت حسینؓ کی تخفیف کرنی چاہی حالانکہ اکثر علماء حسینؓ کو صحابی ہی مانتے ہیں تو آنجناب نے بھی تکفیر یزید کا قول نقل کر کے یزید کو ذلیل کرنا چاہا، حالانکہ اکثر علماء اسے مسلمان ہی مانتے ہیں، خود آپ بھی کافر نہیں کہتے۔

یہ تو رہی آپ کے اور عباسی صاحب کے جرم میں مساوات ویک جہتی۔ اب دیکھئے کہ معنوی قباحت میں آپ کتنے آگے گئے۔ ہر شخص سمجھ سکتا ہے کہ اگر ایک شخص حسینؓ کی صحابیت مشکوک کر رہا ہے تو اس کا یہ مطلب نہیں کہ وہ انہیں نعوذ باللہ جہنمی قرار دے رہا ہے۔ "صحابیت" ایک اصطلاح ہے جس کے مفہوم میں بعض لوگوں نے بلوغ کو بھی بطور شرط شامل کیا ہے۔ حضرت حسین چونکہ رسول اللہ ﷺ کی حیات میں بالغ نہیں ہوئے تھے، اس لئے ان لوگوں کا خیال ہے کہ صحابی کی اصطلاح ان پر صادق نہیں آتی، یہ خیال غلط سہی لیکن کیا یہ بھی اس کا لازمی مفہوم نکلتا ہے کہ حسینؓ کو ان لوگوں نے محاسن اور مناقب سے خالی اور عذاب الٰہی کا مستحق قرار دے دیا؟ ظاہر ہے کہ نہیں اور بالکل نہیں، تابعین بھی بڑی مرتبت والے رہے ہیں اور ہر زمانے میں اللہ کے ایسے نیک بندے جو گزرے ہیں جو صحابی نہ ہوتے ہوئے بھی جنتی تھے۔ تو ثابت ہوا کہ عباسی صاحب اگر صحابیت حسین کو مشکوک بھی بنا رہے ہیں تو اس سے کوئی بڑا نقصان لازم نہیں آتا اور ذات حسینؓ سے صرف ایک ایسے وصف کا انکار ہوتا ہے جو اگرچہ بجائے خود بہت بڑا ہے لیکن جنتی ہونے کی شرط لازم نہیں ہے۔

لیکن جو شخص کسی مومن کا ایمان مشکوک کر کے اس کے کفر و ارتداد کا رجحان پیدا کر رہا ہے وہ تو بڑا بھیانک مجرم ہے کہ ایک مومن کی مغفرت کا امکان ہی ختم کئے دے رہا ہے اسے ڈرنا چاہئے کہ ایسا نہ ہو یہ کفر اسی کی طرف لوٹ جائے، کیا تھپر ہے کہ عباسی صاحب آپ کے ممدوح کا صرف ایسا وصف مشکوک کرنا چاہیں جو محض فضائل کے درجہ کا ہو مغفرت و نجات کا مدار نہ ہو تو وہ مجرم، گستاخ اور بدنیت لیکن آپ ان کے ممدوح کے تمام ہی اوصاف یکسر ملیامیٹ کر دینا چاہیں اور بلا غل و غش اسے دوزخ میں دھکیلنے کا ارادہ کریں تو آپ دیانت دار اور حکیم الاسلام۔

آواز دو انصاف کو انصاف کہاں ہے

خدا اور بندوں کی شرم چاہئے اس شخص کو جو دوسروں کی معمولی تلخ گفتاری کو بھی گردن زدنی قرار

دے لیکن خود بر ملا دوسروں کو ماں بہن کی گالیاں دے جاتے۔ ہم کہتے ہیں ماں بہن کی گالی کیا چیز ہے۔ قتل کر دینا بھی اس سے کم جرم ہے کہ آدمی کسی مومن کو کافر بنائے یا بنانے کی جرأت نہ پائے تو کم سے کم شک ہی پھیلائے۔ مومن کے لئے کفر سے بڑی گالی دنیا میں کوئی نہیں۔ صحابیتِ حسین کا پچاس بار بھی انکار کرنا یزید کو ایک بار کافر کہنے سے ہزار درجہ کم قبیح ہے۔

جرم در جرم آپ کا یہ ہے کہ یزید پر لعنت بھیجنے کو صحیح مسلک نہ سمجھتے ہوئے اور اس سے کلیۃً پرہیز کرتے ہوئے بھی آپ نے صفحے کے صفحے یہ دکھانے میں صرف کر دئے ہیں کہ وہ مستحق لعنت تھا اور اس کے ملعون ہونے کے فلاں فلاں دلائل ہیں۔ عبرت ہوتی ہے یہ دیکھ کر کہ جوازِ لعنت کے سلسلہ میں تو آپ کو کئی عالموں کے نام یاد آئے اور ان کی کتابیں چھانیں لیکن عدمِ جواز کے لئے جبل علم و فراست علامہ ابن تیمیہؒ یاد نہ آئے اور ان کی "منہاج السنۃ" کو دیکھا کہ دلائل سے آنکھیں چار کرتے اور جامد تقلید کے بجائے شعور و ادراک کی روشنی میں کسی فیصلے پر پہنچتے۔ اگر آپ کو فرصت نہ ہو تو ہم شاگردوں سے کہتے ابن تیمیہ کے دلائل پیش کر دیں۔ ہمیں یقین ہے آپ نے منہاج السنۃ نہیں پڑھی ہے ورنہ کبھی یہ بے دلیل دعویٰ نہ کرتے کہ یزید نے حضرت حسین کے دانتوں پر چھڑی ماری تھی۔

لعنت بھیجو، گالیاں دو جو چاہے کرو، اللہ کا رسول تو کہہ چکا ہے کہ اول جیش من امتی یغزون مدینۃ قیصر مغفور لھم اور اللہ کا رسول اٹکل پچو نہیں کہتا اللہ کی طرف سے کہتا ہے سارا عالم مل کر زور لگا لو اللہ کی مشیت اٹل ہے۔

| | |
| --- | --- |
| وان یّردک بخیرٍ فلا رادّ لفضلہٖ۔ | اور اگر اللہ ارادہ کرے تیرے لئے خیر کا تو کوئی اس کے فضل کو لوٹا نہیں سکتا۔ |

لفیہ ورتے وہ لوگ جنہیں قسطنطنیہ کے غزوۂ اولیٰ کی شرکت نصیب ہوئی اور اللہ نے انہیں بخش دیا، کمال ہے کہ جو بدعتی حضرات رسول اللہ کا درجہ دینے کے لئے انہیں عالم الغیب اور حاضر و ناظر اور نہ جانے کیا کیا کہا کرتے ہیں وہ بھی یزید دشمنی میں اتنے ڈھیٹ ہو گئے ہیں کہ رسول اللہ کا فرمودہ تاویل کی خراد پر چڑھ جائے تو چڑھ جائے مگر یزید جنت میں نہ جانے پائے، مبارک ہو شیعوں کو کہ انہوں نے خود تو حضرت حسینؓ کو کوفے بلایا اور بدترین بزدلی اور عہد شکنی کے مرتکب ہو کر ان کی مظلومانہ موت کو دعوت دی لیکن الزام سارا ڈال دیا یزید کے سر اور حبِّ حسین کا ڈھونگ رچا کر بعض یزید کی وہ ڈفلی بجائی کہ اہل سنت بھی رقص کر گئے۔ کتنا کامیاب فریب ہے کہ اصلی قاتل تو سرخرو ہوتے اور سیاہی



مَلی گئی اس یزید کے منہ پر جو اپنی حکومت کی حفاظت کرنے میں اسی طرح حق بجانب تھا جس طرح دنیا کا کوئی بھی حکمراں ہوتا ہے۔ ہم انسانی تاریخ میں کسی ایسے حکمراں کو نہیں جانتے جس نے بوقت ضرورت اپنے تحفظ کے لئے ممکنہ تدابیر سے کام نہ لیا ہو۔ یزید ہی نے حضرت حسینؓ کو باز رکھنے کے لئے افسروں کو اقدام و انصرام کا حکم دیا تو یہ کوئی انوکھا فعل نہ تھا ہاں اس نے یہ ہرگز نہیں کہا تھا کہ انہیں مار ڈالنا۔ جو کچھ پیش آیا بہت برا سہی مگر یزید قاتل نہ تھا نہ قتل کا آرڈر دینے والا۔ پھر بھی قتل کی ذمہ داری اس پر ڈالتے ہو تو اس میں سے کچھ حصہ بہت بڑا حصہ ان بدنہاد کوفیوں کو بھی تو دو جنہوں نے خطوں کے پلندے بھیج بھیج کر حضرت حسینؓ کو بلایا اور وقت آیا تو رسول اللہ کے نواسے کو ہجوم آفات میں چھوڑ کر نو دو گیارہ ہو گئے۔ یہ سب شیعہ تھے پرلے سرے کے بوالفضول اور عہد شکن۔ انہوں نے حضرت علیؓ کو بھی ناک چنے چبوائے، میدانِ وغا میں پیچ بن گئے، اسد اللہ کی خیبر شکن تلوار کو کند کر کے رکھ دیا اور پھر انہی کے عالی مقام بیٹے حسنؓ کو سبز باغ دکھا کر مروا دیا۔ آج یہ ناٹک کھیلتے ہیں کہ ہم حسین کے فدائی ہیں اور اسی ناٹک میں کتنے ہی سنی حضرات بھی بطور ایکسٹرا شامل ہو گئے ہیں۔ واہ رے کمالِ فن! ہو سکے تو یزید دشمنی میں حد سے آگے جانے والے اہل سنت غور کریں کہ وہ کس معصومیت سے دھوکا کھا گئے ہیں۔ کیسا جادو کا ڈنڈا ان کے سر پر پھیر گیا ہے اور صحابہ کے دشمنوں نے کس طرح یزید کی آڑ میں نہ صرف حضرت معاویہ بلکہ یزید کی بیعت کرنے والے متعدد جلیل القدر صحابہ کو سب و شتم کرنے کا راستہ نکالا ہے۔

# شہید کربلا اور یزید

تمہید ـــــــــ از مولانا عامر عثمانی
جائزہ ـــــــــ از ابو صہیب رومی بچھلی شہری

گزشتہ ماہ حضرت مہتمم صاحب کی کتاب پر جزئی نقد کرتے ہوئے ہم نے ارادہ ظاہر کیا تھا کہ آئندہ پوری کتاب کا جائزہ لیں گے لیکن خوشی کی بات ہے کہ ہماری بجائے یہ کام ایک ذی علم بزرگ مولانا ابو صہیب رومی نے کافی خوش اسلوبی سے انجام دیدیا ہے۔

## حسین رضؓ کی مفروضہ صحابیت

مہتمم صاحب نے "صحابیت" کی بحث میں حافظ ابن حجر کا یہ فرمودہ فتح الباری سے نقل کر دیا۔

"اور ان میں سے بعض نے یہ بھی شرط لگائی ہے کہ آدمی حضورؐ کے ساتھ جمع ہونے کے وقت بالغ بھی ہو اور یہ قید مردود ہے کیونکہ یہ حسنؓ جیسے کمسن افراد کو (جو حضور کے ساتھ جمع ہونے کے وقت کمسن تھے) صحابیت سے خارج کر دیتی ہے۔" ص۳۰

لیکن انہی حافظ ابن حجر کی جو مستقل کتاب "الاصابہ فی تمیز الصحابہ" کے نام سے صحابہ ہی کے بارے میں ہے اسے اٹھا کر نہیں دیکھا۔ حالانکہ صحابیت کے لئے "بلوغ" کی جس شرط کا ذکر عباسی صاحب نے کیا تھا اور مہتمم صاحب نے اسے جرم عظیم قرار دے کر پچاس صفحے لکھ ڈالے تھے اسی شرط کے بارے میں حافظ ابن حجر جلد اول ص۸ پر رقمطراز ہیں:۔

واطلق جماعة ان من رأى النبي صلى الله عليه وسلم فهو صحابي وهو محمول على من بلغ سن التمييز اذ من لم يميز لا تصح نسبة الرؤية اليه نعم يصدق ان النبي صلى الله عليه وسلم رأٰه فيكون صحابيا من هذه الحيثية ومن حيث الرواية يكون تابعيا۔

اور ایک جماعت نے صحابیت کی تعریف کو اس حد عام اور وسیع کر دیا ہے کہ وہ کہتی ہے جس نے بھی رسول اللہؐ کو دیکھا وہ صحابی ہوا۔ تو یہ عموم و اطلاق در اصل محمول ہوگا اس بات پر کہ وہ دیکھنے والا سن تمیز کو پہنچ گیا ہو، اس وجہ سے کہ اگر سن تمیز ہی کو نہ پہنچا ہو تو رویت کی نسبت اسکی طرف درست نہیں ہو سکتی، ہاں یہ ضرور تصدیق کی جا سکتی ہے کہ اس نے رسول اللہؐ کو دیکھا پس اس دیکھنے کی نسبت سے اسے صحابی کہا جائے گا مگر روایت کے معاملہ میں اس کا درجہ و مقام تابعی کا ہوگا۔



اب کہئے۔ یہ ابن حجر تو اس ارشاد میں سن تمیز کو کم سے کم روایت کی حد تک شرط لازم قرار دے رہے ہیں، اہل علم اس فرق کو خوب سمجھتے ہیں: تابعین کا مقام یہ ہے کہ ان کی روایتیں نہ تو "مرفوع" سمجھی جاتی ہیں نہ وہ الاصحاب کلھم عدول کے دائرے میں آتے ہیں۔ علمائے سلف میں کتنے ہی ائمہ فن ہیں جو تابعین کے مراسیل کو حجت قاطعہ نہیں مانتے۔

رہیں وہ گل افشانیاں جو تقریباً پانچ سال کے حسینؓ کو اعلیٰ درجہ کا ذی شعور، دانا، معاملہ فہم، نکتہ شناس اور ہر آئینہ کامل و اکمل ثابت کرنے کے لئے مہتمم صاحب نے کی ہیں تو انہیں وہ پیر کے مرشدوں پر جھومنے والے قوال ہی کی داد دے سکیں گے، مگر عقل و علم اور نفسیات۔ عامہ کی بارگاہ میں ان کا کوئی مقام نہیں۔ اگر پانچ چھ سال کا لڑکا بھی سن تمیز کا حامل اور ذی شعور و نکتہ شناس کہا جا سکتا ہے تو مان لینا چاہئے کہ ماں کا دودھ چھوٹتے ہی ابن آدم ذی شعور و صاحب تمیز ہو جاتا ہے اور اس کی نقل و اقتباس پر اعتماد کر لینا چاہئے۔ خدا ہی جانے حضرت حسینؓ کی بے نہایت ذکاوت و فراست اور تدبیر و تدبر کے وہ جلوے مہتمم صاحب کو تاریخ کی کس دوربین سے نظر آئے جن کے اظہار کا صرف ایک ہی موقع حضرت حسینؓ کو ملا تھا اور اسی موقع پر ان کی سیاست، ان کی مردم شناسی، ان کے تدبر اور ان کی قائدانہ صلاحیتوں کا تار و پود حالات کے بے رحم ہاتھوں نے بکھیر کے رکھ دیا تھا۔ شاعری الگ چیز ہے۔ اس کا بھی ایک مقام ہے۔ مگر ٹھوس علمی و تاریخی بحثوں میں شاعرانہ خیال آفرینیاں ہزیمت اور فرار کے مرادف ہوا کرتی ہیں۔

اب غور کیا جائے کہ حافظ ابن حجر جب اپنی الاصابہ میں وہ کچھ لکھ گئے ہیں جو ابھی نقل ہوا تو آخر فتح الباری میں وہ بات کیوں کہی جو مہتمم صاحب نے نقل کی۔ اس کے جواب میں جو کچھ ہم کہنا چاہتے ہیں وہ "چھوٹا منہ بڑی بات" کے مساوی ہوگا، لیکن اس کے بغیر چارہ بھی نہیں ہے جذباتی عصبیت بلا ہی ایسی ہے کہ ابن حجر تو کیا ان سے بہت بڑے لوگ بھی اس کی دسیسہ کاری سے بچ نہیں سکے ہیں۔ ہر صاحب علم جانتا ہے کہ اصول و قواعد شخصیتوں کے غلام نہیں ہوا کرتے۔ شخصیتیں اصول

قواعد کی میزان میں تولی جاتی ہیں ایسی صورت میں کیا یہ کوئی دلیل ہے کہ :۔

"چونکہ حسنؓ و حسینؓ جیسے کمسن افراد اصطلاحی صحابیت کے دائرے سے خارج ہوئے جاتے ہیں اس لئے صحابیت کی تعریف میں بلوغ کی شرط مردود ہے۔"

اگر اہل بیت کی عقیدت میں جذباتی غلو کی آمیزش نہ ہوتی تو ابن حجر کو اس جگہ کم سے کم "مردود" کا لفظ نہیں لکھنا چاہئے تھا کیونکہ یہ "قولِ مردود" تو ان سعید بن المسیب کا بھی تھا جن کی جلالت شان عظمت عالمانہ اور بصیرت مومنانہ کے حافظ ابن حجر ہی نہیں تمام سلف و خلف قائل ہیں۔ ملاحظہ فرمایئے فتح الباری جلد ۷، میں صفحہ ۲ پر ابن حجر ہی رقمطراز ہیں :۔

| | |
|---|---|
| كذا اروى عن سعيد بن المسيب انه كان لا يعد فى الصحابة الا من اقام مع النبى صلى الله عليه وسلم سنة فصاعداً او غزا معه غزوة فصاعداً | ایسے ہی سعید بن المسیب سے مروی ہے کہ وہ ان لوگوں کو صحابی شمار نہیں کرتے تھے جنہوں نے کم سے کم ایک سال یا کچھ زائد حضورؐ کی صحبت نہ اٹھائی ہو یا حضور کے ساتھ ایک یا زیادہ غزوے نہ کئے ہوں۔ |

گویا بلوغ تو کجا وہ دو چار دس پانچ دن کی صحبت و قربت کو بھی اصطلاحی صحابیت کے لئے کافی نہیں سمجھتے۔

سعید بن المسیب ہی نہیں ابن حجر کے جذباتی تحکم کی زد میں ایک بہت بڑے صحابی حضرت انس رضی اللہ عنہ بھی آ گئے ہیں۔ ملاحظہ کیجئے فتح الباری کی وہ پوری عبارت جس سے ایک ٹکڑا لے کر مہتمم صاحب نے مطلب برآری کی ہے۔

| | |
|---|---|
| ومن اشترط الصحبة العرفية اخرج من له رؤية او من اجتمع به لكن فارقه عن قرب كما جاء عن انس انه قيل له هل بقى من اصحاب النبى صلى الله عليه وسلم غيرك قال لا مع انه كان فى ذلك الوقت عدد كثير ممن لقيه من الاعراب ومنهم من اشترط فى ذلك ان يكون حين اجتماعه به بالغاً وهو مردود ايضاً لانه يخرج مثل الحسين بن على ونحوه من احداث الصحابة (فتح الباری جلد ۷، صفحہ ۲ مصری) | اور جنہوں نے صحبت عرفیہ کو مشروط کیا ہے انہوں نے ان لوگوں کو صحابیت کے دائرے سے خارج کر دیا ہے جنہیں حضورؐ کا صرف دیدار نصیب ہوا یا جو حضورؐ کے ساتھ تو رہے مگر جلد ہی جدا ہو گئے جیسا کہ حضرت انسؓ کے بارے میں منقول ہے کہ کسی نے ان سے پوچھا کیا اس وقت آپ کے علاوہ بھی کوئی صحابی زندہ ہے۔ انہوں نے جواب دیا، نہیں حالانکہ اس وقت ایسے دیہاتی کثیر تعداد میں زندہ تھے جنہوں نے رسول اللہؐ سے ملاقات کی تھی اور انہی میں سے وہ لوگ ہیں جنہوں نے بلوغ کو صحابیت کی شرط قرار دیا ہے۔ یہ شرط بھی مردود ہے کیونکہ اس کی وجہ سے تو حسین ابن علیؓ جیسے لوگ صحابیت سے نکل جاتے ہیں۔ |



ذرا خط کشیدہ لفظ "ایضاً" (بھی) پر غور کیجئے۔ اس کا صاف مطلب اس کے سوا کیا ہے کہ ماقبل کا قول بھی مردود تھا اور یہ قول بھی مردود ہے۔ ماقبل کا قول کس کا تھا؟ ___ جلیل القدر صحابی رسول حضرت انس رضی اللہ عنہ کا۔ انہوں نے صرف دیدار رسول یا مختصر ملاقات کو اصطلاحی صحابیت کے لئے کافی نہیں سمجھا تو چاہے ابن حجر کو علمی حیثیت سے اس سے اختلاف ہوتا، لیکن یہ تو نہ کہنا چاہئے تھا کہ یہ قول مردود ہے ___ ایک کثیر الروایت اور عظیم المرتبت صحابی کا قول مردود! انا للہ وانا الیہ راجعون۔ اسی کا نام ہے جذباتیت کہ آدمی طوفان میں تنکے کی طرح بہہ جاتا ہے۔ خوب ہے یہ حبِ اہل بیت کہ بڑے سے بڑے صحابیؓ کی آبرو بھی مجروح ہو جائے تو کوئی مضائقہ نہیں۔

(حضرت سعید بن المسیبؒ کا جو قول اوپر نقل ہوا یہ اسد الغابہ کے مقدمہ میں بھی صہ۱۲ پر چند حروف کے فرق سے نقل ہوا ہے) ابن حجر کے فرمودات کی اگر کوئی اچھی تاویل پیش کر سکے تو ہمیں خوشی ہوگی۔ فن حدیث کی حد تک ہمیں ان بزرگوں سے اتنی گہری عقیدت ہے کہ شاید ہی کسی اور سے ہو۔ خدا کرے ان کی عبارت کا مطلب ہم نے غلط سمجھا ہو اور وہ کچھ اور کہنا چاہتے ہوں۔ لیکن یہ حقیقت تو ہر حال میں آئینہ ہو گئی کہ عباسی صاحب کا یہ کہہ دینا کہ صحابیت کے لئے بعض علماء نے بلوغ کی شرط لگائی ہے۔ فی الحقیقت کوئی جرم نہیں تھا، بلکہ تابعین اور صحابہ تک اصطلاحی صحابیت میں شرطیں لگاتے آئے ہیں۔ اب اسے کیا کیجئے کہ عشقِ اہلِ بیت کی روایتی ترنگ لوگوں کی ذکاوت حس کو دس سے ضرب دے اور دوسروں کی سادہ باتوں سے وہ ایران و توران کے نکات پیدا کرتے چلے جائیں حد ہو گئی سادہ فریبی کی۔ مہتمم صاحب فرماتے ہیں :۔

"اسی طرح جب آیت مباہلہ نازل ہوئی تو پھر آپ اپنے اہل بیت کو لے کر نصاریٰ کے مقابلہ میں مباہلہ کے لئے تشریف لے گئے جن میں حضرت حسین رضی اللہ عنہ بھی شامل تھے اور فرمایا کہ اللھم ھؤلاء اھل بیتی جیسا کہ صحیح مسلم میں روایت موجود ہے"

۱؎ ملاحظہ ہو عرض مولف طبع سوم "کتاب خلافت معاویہ و یزید" جس میں مباہلہ کی وضعی روایتوں کی حقیقت بیان کی گئی ہے۔

توگیا نبی کے ساتھ رہنا بلکہ نبی کی چادر میں نبی کے بدنِ مبارک سے قریب تر ہو کر رہنا صحبت و مجاورۃ نہیں حتیٰ کہ اس موقع پر نصاریٰ کے اُسقف (لاٹ پادری) نے ان آفتاب و ماہتاب چہروں کو دیکھ کرجن میں حضرت حسین رضی اللہ عنہ بھی شامل ہیں کہا تھا کہ اے گروہِ نصاریٰ میں یہ ایسے چہرے دیکھ رہا ہوں کہ اگر وہ اللہ سے پہاڑوں کو ٹل جانے کا سوال بھی کریں گے تو اللہ پہاڑوں کو ٹلا دے گا۔ اس لئے ان سے مباہلہ کر کے اپنے کو تباہی میں مت ڈالو۔ گویا اس اُسقف نے بھی اہل بیت اور حسن و حسین رضی کے مبارک چہروں پر مقبولیت اور نورفطرۃ کا مشاہدہ کر لیا اور کفارتک بھی نبیؐ کے رفقاء اور ساتھیوں کے آثارِ مقبولیت و محبوبیت کو دور سے دیکھ کر پہچان لیتے تھے جو اسی شرف صحبت کے آثار تھے۔ تو کیا یہ شرف صحبت کا ثبوت نہیں ؟ مدمہ

عامی بھی سمجھ سکتے ہیں کہ بحث لغوی صحابیت کی نہیں اصطلاحی صحابیت کی ہے۔ اس میں نبی کی چادر میں رہنے اور جسم سے قریب تر ہونے کو بطور دلیل پیش کرنا افسوسناک حد تک سطحی ہے اور "آفتاب و ماہتاب" کے الفاظ تو صاف بتا رہے ہیں کہ بلبل روایت کے ذہن میں تشیع کی زبان بول رہی ہے۔ للہ کوئی بتاؤ اگر حسن رضی و حسین رضی آفتاب و ماہتاب تھے تو ابوبکر رضی و عمر رضی بلکہ خود نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے حصہ میں کیا آیا؟ مدح کا یہ انداز تو غالی شیعہ بھی مشکل ہی سے اختیار کریں گے۔

پھر لا محدود عقیدت کا دوسرا کرشمہ دیکھئے کہ جو حسین رضی اپنی تمام ترسعی و جہد کے باوجود ابن زیاد کی فوجوں سے اپنا جان و مال نہ بچا سکے جنہوں نے حفظِ جان کی خاطر تین راہوں میں سے کسی ایک کا اذن چاہا مگر نہ ملا۔ جنہوں نے تقریر کے ذریعہ پوری کوشش کر دیکھی کہ حریف کو اپنے جان و مال سے باز رکھیں اور رب اکبر کے حضور دعائیں بھی کیں مگر کامیاب نہ ہوئے، انہی کے بارے میں ایک ایسی روایت کو جزم کے ساتھ بیان فرمایا جا رہا ہے جس میں ان کی خواہش پر پہاڑ ٹل جانے کا دعویٰ ہے۔ یہ مقام تو خیر البشر سید الانس والجن رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو بھی حاصل نہیں ہوا مگر حاصل ہوا تو مہتمم صاحب کے نزدیک ان حسن رضی و حسین رضی کو جن میں سے اول الذکر کا تو یہ حال رہا کہ انہوں نے معاویہ رضی کے جبل اقتدار کو خواہش اور دعا اور تمنا کے تیشے سے ریزہ ریزہ کر دینے کا خواب دیکھنے کی بجائے حقائق کی چوکھٹ پر گردن خم کی، حقیقت کو حقیقت جانا اور اپنا تاج خلافت معاویہ رضی کے سپرد کر کے اپنی، اپنے خانوادے کی اور امت مسلمہ کی عافیت و امن کا وہ شاندار دروازہ کھولا جس کی ایمانی بشارت ان کے محترم نانا صلی اللہ علیہ وسلم نے دی تھی اور ثانی الذکر کی سرگزشت



یہ ہے کہ وہ وعدہ فراموش کوفیوں کے جھوٹے وعدوں کا شکار ہو کر حالت یاس و بیکسی میں اپنی اور اپنے ساتھیوں کی جانیں تیغ و سنان کو سونپ گئے۔ دیناان باتوں سے ہنسے گی نہیں تو اور کیا کرے گی۔ آنکھیں بند کر کے روایات پر اعتماد کرنے ہی کا نتیجہ ہے کہ تعقل پسند لوگ نفس حدیث ہی سے بیزار ہوتے چلے جاتے ہیں۔ دانشورو! اگر روایت کی سندوں کو جانچنے پرکھنے کی فرصت نہیں پاتے تو کم سے کم اسی بنیادی اصول کو ملحوظ رکھ لیا کرو کہ مشاہدات و واقعات اور حقائق ثابتہ کا منہ چڑانے والی روایتیں اعتنا کے لائق نہیں ہوا کرتیں۔

ہمیں نہ حضرت حسین رضی کی مقبولیت سے انکار ہے نہ "نورفطرۃ" سے چاہے یہ الفاظ اپنے اطلاق اور مصداق میں کتنے ہی مجمل و مبہم ہوں لیکن یہ ضرور کہیں گے کہ کسی نصرانی لاٹ پادری کے سہارے رسول اللہ کے نواسوں کا طرۂ افتخار اونچا کرنا اچھے مذاق و وجدان کی علامت نہیں ہے، پھر یہ بھی ایک بچکانہ ہی استدلال ہوگا کہ مقبولیت اور نورفطرۃ (؟) کو اصطلاحی صحابیت کی دلیل قرار دیا جائے۔ کیا ان اولیس قرنی کی مقبولیت اور نورفطرۃ میں کوئی شک ہے جنہوں نے ایک بار بھی رسول اللہ کو نہیں دیکھا تھا۔ یا بعد کے بے شمار اولیاء اللہ کی مقبولیت اور نورفطرۃ کے آپ منکر ہیں؟ اگر نہیں تو یہ کیسے دعویٰ کر بیٹھے کہ مقبولیت اور نورفطرۃ شرف صحبت ہی کا ثبوت ہو سکتے ہیں!

صحابیت کے لئے نفس صحبت کو کافی نہ سمجھنے کے سلسلہ میں تو شروع ہی سے ائمہ و علماء گفتگو کرتے چلے آئے ہیں۔ اسد الغابہ کا مقدمہ دیکھئے۔ ابن الاثیر لکھتے ہیں:۔

وقال القاضی ابوبکر محمد بن الطیب لاخلاف بین اهل اللغة فی ان الصحابی مشتق من الصحبة وانه لیس مشتقا علی قدر مخصوص منها بل هو جار علی کل من صحب قلیلا کان او کثیرا وکذلک جمیع الاسماء المشتقة من الافعال وکذلک یقال صحبت فلانا حولا وشهرا وساعة فیوقع اسم الصحبة بقلیل مایقع علیه منها وکثیره قال ومع هذا فقد تقرر للامة عرف انهم لایستعلمون هذه التسمیة الا

قاضی ابوبکر محمد بن الطیب نے کہا کہ اہل لغت کے یہاں اس باب میں دو رائیں نہیں ہیں کہ صحابی صحبت سے مشتق ہے اور یہ اشتقاق صحبت کی کسی خاص مقدار پر مبنی نہیں ہے، بلکہ ہر صحبت اس کے دائرے میں آجاتی ہے چاہے وہ کم ہو یا زیادہ اور ایسا ہی حال ہے ان تمام دیگر اسماء کا جو افعال سے مشتق ہوتے ہیں۔ اسی لئے کہا جاتا ہے کہ میں فلاں کا صاحب رہا سال بھر یا مہینے بھر یا چند لمحے۔ پس اسم صحبت کا اطلاق ہر قلیل و کثیر صحبت پر ہوتا ہے۔ کہا کہ باوجود اس کے لفظ صحبت امت

فیمن کثرت صحبتہ ولا یجیزون ذالک الا فیمن کثرت صحبتہ لا علی من لقیہ ساعۃً اومشٰی معہ خطًا وسمع منہ حدیثًا فوجب لذالک ان لا یجری ھذا الا علی من ھذہ حالہ

(مقدمہ صلا)

کے لئے ایک اصطلاحی لفظ بن گیا ہے اور لوگ اسے صرف کثیر صحبت ہی کے لئے استعمال کرتے ہیں اور کثیر صحبت ہی کے لئے صحابیت کا خطاب جائز رکھتے ہیں۔ نہ کہ ہر اس شخص کو صحابی کہتے ہیں جس نے رسول اللہؐ نے پل بھر کے لئے ملاقات کی ہو یا آپ کے ساتھ چند قدم چلا ہو یا آپ سے ایک آدھ حدیث سنی ہو۔ پس واجب ہوا کہ یہ لفظ صحابی انہی لوگوں کے لئے استعمال کیا جائے جنہیں کثیر صحبت حاصل رہی ہو۔

اب کیا ان لوگوں[۱] کو جو یہ خیال کرتے ہیں کہ حالت ایمان میں رسول اللہؐ کو صرف ایک نظر دیکھ لینا ہی آدمی کو صحابی بنا دیتا ہے چیخ پڑنا چاہئے کہ ابن الاثیر اور سعید بن المسیب اور حضرت انسؓ نے جرم عظیم کر ڈالا۔ اگر نہیں تو پھر آخر شرطِ بلوغ ہی کا تذکرہ عباسی صاحب کا اتنا بھیانک جرم کیوں ہو گیا کہ مہتمم صاحب نے اس پر طوفان اٹھا کے رکھ دیا۔

(عامر عثمانی)

(۱)

مولانا محمد طیب صاحب مہتمم دارالعلوم دیوبند کی تازہ ترین تصنیف "شہید کربلا اور یزیدؒ" ابھی حال ہی میں سامنے آئی اس کو پڑھنے کے بعد جو تاثرات پیدا ہوئے سطور ذیل میں پیش ہیں اور حضرات علمائے کرام اور ارباب دانش وبینش سے درخواست ہے کہ وہ ضرور اپنی توجہ اس جانب بھی مبذول فرمائیں اور مسئلہ کی اہمیت ونزاکت محسوس فرماتے ہوئے عامۃ المسلمین کی صحیح رہنمائی کا حق ادا فرمائیں۔

یہ حقیقت تو ناقابل انکار ہے کہ زمانہ حال کی "بدنام" مگر قابل غور اور "رسوائے زمانہ" لیکن معرکۃ الآرا کتاب "خلافت معاویہؓ ویزیدؒ" نے ہندوپاک کی خاموش فضا میں ایک تلاطم برپا کر دیا۔ جس کی وجہ یہ ہوئی کہ مصنف کتاب عباسی صاحب نے واقعۂ کربلا اور کردار یزید کو ایسے

[۱] مثلاً امام بخاری کو۔



انداز سے پیش کیا جس کے لئے عام مسلمانوں کے حاشیہ خیال میں گنجائش نہ تھی، پھر غضب یہ کیا کہ اپنی کتاب کو اس قدر تاریخی اور عقلی دلائل وقرائن سے مدلل ومکمل کرکے پیش کیا کہ "ناواقف" اور "بے بصیرت" لوگوں نے تو حیرت وتعجب سے دیکھا لیکن شاید مجھ جیسے بہت سے لوگوں کے لئے اس کو تسلیم کرنے کے سوا کوئی دوسرا چارہ کار ہی نہ رہ گیا۔ اس طرح لوگوں کی خاصی تعداد اس "رسوائے زمانہ کتاب" سے متاثر ہونے لگی۔ ایسی صورت میں اگر مولانا محمد طیب صاحب یا دوسرے حضرات کو اس کتاب کا "فتنہ" ہونا محقق ہوگیا تھا تو بیشک یہ ان کا دینی فرض تھا کہ وہ "ناواقف" اور "بے بصیرت" لوگوں کی رہنمائی فرمائیں، چنانچہ مولانا موصوف نے اب سے بہت پہلے "الجمعیۃ" سنڈے ایڈیشن مورخہ یکم نومبر ۵۹ء میں اس کتاب سے بیزاری کا اعلان شائع فرمایا، نیز محمد میاں صاحب مرادآبادی نے بھی اسی شمارے میں ایک طویل بیان شائع فرمایا جس میں نہایت زوردار الفاظ میں کتاب پر تنقید فرمائی گئی تھی، لیکن بحیثیت مجموعی اس کو ایک سطحی تنقید سے زیادہ کچھ نہیں کہا سکتا۔ اس کے ثبوت میں مولوی محمد میاں صاحب کے یہ جملے ملاحظہ فرمائیے۔ الجمعیۃ یکم نومبر ۱۹۵۹ء صفحہ ۲ پر فرماتے ہیں:۔

"باقی یہ بات کہ احیاءِ خلافتِ راشدہ کا ایک مقدس اور پاکیزہ نقطہ نظر جو نور دیدہ چشم رسالت کا نصب العین بنا رہا جس کے لئے حضرت موصوف نے اپنا سب کچھ قربانی کے لئے پیش کر دیا، جس کی بنا پر آپ کے اس ایثار کو وہ مرتبہ دیا گیا کہ پوری امت نے آپ کی موت کو مظلومانہ موت اور آپ کی شہادت کو شہادت عظمیٰ قرار دیا۔ محمود احمد صاحب عباسی کی اس کتاب میں یہ نظریہ قطعاً سامنے نہیں آیا ہے۔

اس کے بعد اس کے بالکل برعکس مولانا محمد طیب صاحب کے یہ چند جملے بھی پیش نظر رکھئے فرماتے ہیں:۔

"حضرت حسینؓ رضی اللہ بہر حال ان امور سے ناواقف نہ تھے"

چند جملوں کے بعد:۔

"اس لئے نہ انہوں نے اس کی طلب فرمائی اور نہ وہ ایک ختم شدہ شے کی طلب فرما سکتے تھے جو نبوت کی طرح ان کے گھرانے ہی سے نہیں دنیا سے رخصت ہو چکی تھی۔ اس لئے ان کے کربلائی اقدام کو طلب خلافت پر محمول کرنا خلافت کی